ماہنامہ
بانی: غلام حیدر شیخ
برجستہ
چیف ایڈیٹر:
اویس حیدر شیخ
لاہور اور کویت سے بیک وقت اشاعت
ONLINE EDITION
VOLUME: 4 | ISSUE 57 | Nov. 2026



علامہ اقبالؒ

بیداری اور تحریک آزادی کے شاعر





ان کی شاعری ہر مکتبہ فکر کی بھرپور نمائندگی کرتی ہے اس لئے ہر مکتبہ فکر کے لوگ انہیں اپنا شاعر سمجھتے ہیں



ISSN # : 3080-9746

ماہنامہ
برجستہ
لاہور اور کویت سے بیک وقت اشاعت

سرورق		فرنٹ
اشتہار		صفحہ 2
فہرست		صفحہ 3
اداریہ	مشرق وسطیٰ میں مسلسل اُبھرتے جنگی شعلے	صفحہ 4
کالم ومضامین	علامہ اقبال: بامقصد عملی زندگی کی روشن مثال	صفحہ 5
کالم ومضامین	موبائل اور ٹیپ	صفحہ 6
کالم ومضامین	خودکشی نہیں، زندگی کا اِنتخاب کیجئے	صفحہ 7-8
کالم ومضامین	بابائے صحافت۔۔۔مولانا ظفر علی خاں	صفحہ 9-10
کالم ومضامین	سموگ سے محفوظ رہیں۔۔۔مگر کیسے	صفحہ 11-12
کالم ومضامین	ممتاز دانشور، قلمکار، کالم نگار، مصنف اور صاحب فکر ونظر۔۔۔۔۔۔	صفحہ 13
کالم ومضامین	اہم ہونے کا وہم اور خوشی کی تلاش	صفحہ 14-15
کالم ومضامین	سیاسی دنگل	صفحہ 16-17
کالم ومضامین	جماعت اہل سُنت پاکستان۔۔۔عشق رسول ﷺ تحفظ عقائد اور استحکام وطن کا عزم	صفحہ 18-19
اشتہار	اشتہار	صفحہ 20
کویت ڈائری	کویت: کشمیریوں سے اظہارِ یکجہتی کیلئے سفارتخانہ پاکستان میں پُروقار تقریب	صفحہ 21
کویت ڈائری	کویت: سفیر پاکستان کے ہاتھوں ''ای پاسپورٹ'' سسٹم کا افتتاح	صفحہ 22
انقرہ ڈائری	21ویں موسیادا ایکسپو استنبول 2026ء میں پاکستان کی بھرپور نمائندگی	صفحہ 23-24
انقرہ ڈائری	ترک عصر (صدر)، مکہ اور بدر۔۔۔۔اِتحاد اور خود اِنحصاری کی نئی صبح	صفحہ 25-26
دین حق	پانی کی حفاظت اور اسلام تعلیمات	صفحہ 27-28
بچوں کی کہانیاں	گڑیا کا گڈو	صفحہ 29
کھیل کھلاڑی	ٹرائی اینگلر زسیریز: پاکستان کی تاریخی فتح	صفحہ 30
فلمی دُنیا	بس تیرا ساتھ ہو۔۔۔۔اِنتہائی دلچسپ سیریل کا ''بورنگ'' ترین اختتام	صفحہ 31
اشتہار		صفحہ 32

اشتہارات کے لئے رابطہ کریں
+92-322-5300-703 FOR PAKISTAN
+965-6600-6571 FOR KUWAIT

ISSN # : 3080-9746

مشرقِ وسطیٰ میں مسلسل اُبھرتے جنگی شعلے

عالمی سیاست اور جیو پولیٹیکل نظام ایک ایسے پُرخطر اور غیر متوقع دور سے گزر رہا ہے جہاں ذرا سی غلط فہمی یا اشتعال انگیزی تباہ کن نتائج کی حامل ہو سکتی ہے۔ حالیہ عرصے میں ایران اور امریکہ کے درمیان بڑھتی ہوئی کشمکش، فوجی نقل و حرکت اور تزویراتی جنگ نے بالخصوص مشرقِ وسطیٰ اور بالعموم پورے عالمِ اسلام کو ایک بڑے بحران کے دہانے پر لا کھڑا کیا ہے۔ یہ محض دو ریاستوں کی باہمی چپقلش نہیں، بلکہ ایک ایسا بین الاقوامی واقعہ ہے جس کے اثرات عالمی معیشت، توانائی کی فراہمی، سرحدی سلامتی اور پاکستان جیسے ہمسایہ ممالک کی داخلی و خارجی صورتحال پر براہِ راست مرتب ہو رہی ہے۔ ایران اور امریکہ کے روابط کی تاریخ تلخی دہائیوں پر محیط ہے۔ 1979ء کے انقلابِ اسلامی کے بعد سے شروع ہونے والی کشمکش، ایٹمی پروگرام پر پابندیوں، اور علاقائی اثر و رسوخ کی جنگ کے ادوار سے گزرتی ہوئی اب ایک کھلے عسکری و سفارتی تصادم میں بدل چکی ہے۔ امریکہ کی جانب سے معاشی پابندیوں کی سخت ترین پالیسی اور مشرقِ وسطیٰ میں اپنی فوجی موجودگی کو مضبوط بنانے کے اقدامات، جبکہ دوسری طرف ایران کا اپنے عسکری و تزویراتی دفاع کے لئے درپیش خطرات کا منہ توڑ جواب دینے کا عزم — ان دو متضاد رویوں نے صورت حال کو اتنی شدت بخش دی ہے کہ سفارتکاری کے دروازے یکسر بند ہوتے دکھائی دے رہے ہیں۔ خلیجِ فارس، آبنائے ہرمز اور دیگر ملحقہ علاقوں میں بحری و فضائی گشت اور ایک دوسرے کے خلاف تند و تیز بیانات نے اس خدشے کو حقیقت میں بدل دیا ہے کہ خطہ کسی بھی وقت ایک وسیع تر جنگ کی لپیٹ میں آ سکتا ہے۔ ایران امریکہ تنازع کا سب سے پہلا اور براہِ راست اثر عالمی منڈی میں تیل کی قیمتوں پر پڑا ہے۔ آبنائے ہرمز، جہاں سے دنیا کا تقریباً ایک چوتھائی خام تیل اور مائع قدرتی گیس (LNG) گزرتی ہے، اس وقت انتہائی غیر یقینی صورت حال سے دوچار ہے۔

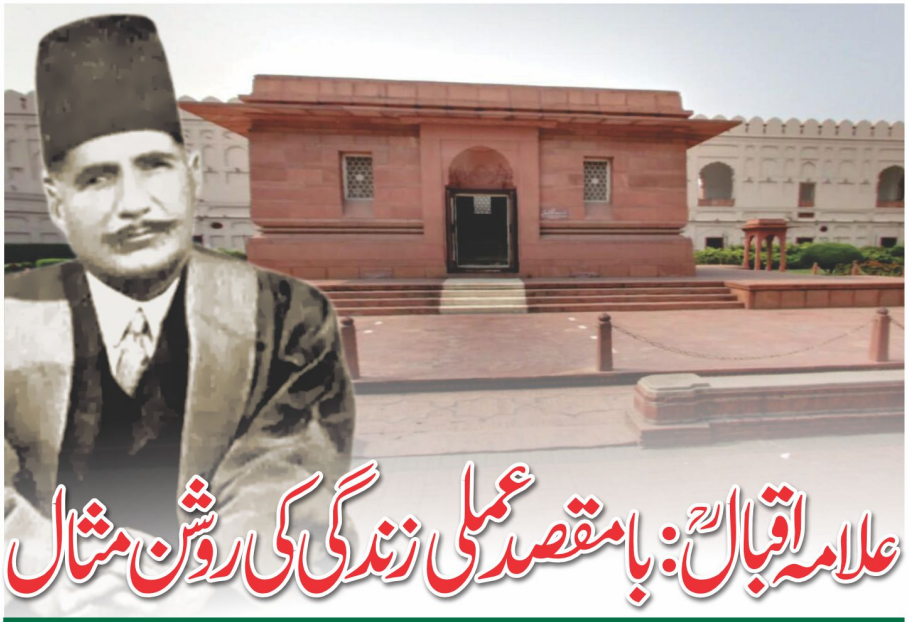
جنگی خطرات کے باعث خام تیل کی فی بیرل قیمتیں تیزی سے اوپر جا رہی ہیں، اگر اس روٹ میں تجارت معطل ہوتی ہے تو عالمی سطح پر توانائی کا ایسا بحران جنم لے گا جس سے نبرد آزما ہونا ترقی پذیر ممالک کیلئے ناممکن ہو جائے گا۔ بین الاقوامی بحری جہاز رانی کے اخراجات اور انشورنس پریمیم میں خاطر خواہ اضافہ ہو چکا ہے، جس کا نتیجہ عالمی سطح پر اشیائے خورد و نوش اور دیگر ضروری اشیاء کی قیمتوں میں اضافے کی صورت میں نکل رہا ہے۔ اس تصادم نے مشرقِ وسطیٰ کی نازک صورت حال کو مزید پیچیدہ بنا دیا ہے۔ عرب ممالک ایک نئے امتحان سے گزر رہے ہیں۔ ایک طرف امریکہ کے ساتھ ان کے دیرینہ تجارتی و دفاعی معاہدات ہیں، تو دوسری طرف خطے میں کسی بھی کھلی جنگ کی صورت میں ان کی اپنی سرزمین پر تباہی کے بادل منڈلا رہے ہیں۔

لبنان، شام، عراق اور یمن جیسے ممالک پہلے ہی مختلف بحرانوں کا شکار ہیں اور اس تصادم کے نتیجے میں وہاں جاری غیر یقینی کی فضا مزید گھمبیر ہو گئی ہے۔ مسلم ممالک پر یہ تاریخی ذمہ داری عائد ہوتی ہے کہ وہ جذبات سے ہٹ کر دانش مندی اور تدبر کا مظاہرہ کریں، کیونکہ اس جنگ کا کوئی حقیقی فاتح نہیں ہوگا — تباہی صرف اور صرف اس خطے کے عوام کا مقدر بنے گی۔ پاکستان کے لئے یہ تنازع ایک انتہائی نازک سفارتی اور سلامتی کا امتحان بن کر ابھرا ہے۔ پاکستان ایک طرف ایران کے ساتھ طویل سرحد، مذہبی و ثقافتی رشتے اور برادرانہ تعلقات رکھتا ہے، جبکہ دوسری طرف امریکہ اور خلیجی ممالک کے ساتھ پاکستان کے گہرے اقتصادی و دفاعی روابط ہیں۔ پاکستان کا سب سے بڑا چیلنج اپنی روایتی غیر جانبدارانہ اور امن پسند پالیسی پر قائم رہنا ہے۔ پاکستان کسی بھی صورت میں اس جنگ کا حصہ بننے یا کسی ایک فریق کا ساتھ دینے کا متحمل نہیں ہو سکتا۔ بلوچستان سرحدی پٹی پر سکیورٹی کے خدشات بڑھ سکتے ہیں۔ پاکستان کی مسلح افواج اور سکیورٹی اداروں کو سرحدوں کی سخت نگرانی کرنا ہوگی تاکہ جنگ کے اثرات ملکی حدود میں داخل نہ ہوں۔ عالمی منڈی میں پیٹرولیم مصنوعات کی قیمتوں میں اضافے کا اثر پاکستان کی داخلی معیشت پر شدید ترین پڑے گا، جہاں پہلے ہی عام شہری مہنگائی سے متاثر ہے۔ اقوام متحدہ (UN) اور اسلامی تعاون تنظیم (OIC) سمیت عالمی برادری پر یہ لازمی فرض بنتا ہے کہ وہ فوری طور پر حرکت میں آئیں۔ جنگیں کسی مسئلے کا دائمی حل نہیں ہوتیں بلکہ نئے بحرانوں کو جنم دیتی ہیں۔ اقوام متحدہ کی سلامتی کونسل کو چاہئے کہ وہ فوری طور پر فریقین کو مذاکرات کی میز پر لانے کے لیے اپنا اثر و رسوخ استعمال کرے۔ ترکیہ، سعودی عرب، اور قطر جیسے ممالک کو مل کر ایک مشترکہ سفارتی بلاک بنانا چاہیے جو ایران اور امریکہ کے مابین فوری رابطے اور کشیدگی میں کمی (De-escalation) کا راستہ ہموار کرے۔ تاریخ اس بات کی شاہد ہے کہ مشرقِ وسطیٰ میں لڑی جانے والی سابقہ جنگوں نے صرف ویرانی، بے گھری اور معاشی تباہی کو جنم دیا ہے۔ ایران اور امریکہ کا تصادم اگر ایک ہمہ گیر جنگ میں تبدیل ہو گیا تو اس کے سائے دہائیوں تک پوری دنیا پر قائم رہیں گے۔ وقت کا تقاضا ہے کہ طاقت کے غرور اور انتقامی سوچ کے بجائے عالمی قوانین، انسانی احترام اور سفارتی افہام و تفہیم کو مقدم رکھا جائے۔ پاکستان سمیت تمام امن پسند ممالک کو دنیا کو تباہی کی اس کھائی سے بچانے کے لئے اپنا مکمل اور موثر کردار ادا کرنا ہوگا، کیونکہ امن ہی انسانیت کی بقاء کی واحد ضمانت ہے۔

بانی: غلام حیدر شیخ
ماہنامہ
برجستہ
چیف ایڈیٹر: اویس حیدر شیخ
لاہور اور کویت سے بیک وقت اشاعت

ہماری ٹیم

ایگزیکٹو ایڈیٹر: علی حیدر شیخ
ایڈیٹر: اصغر علی کھوکھر
مینجنگ ایڈیٹر: عدیل احمد خان
ڈپٹی ایڈیٹر: عائشہ خان
ریزیڈنٹ ایڈیٹر جدہ: امیر محمد خان
لیڈی ایڈیٹر (یو۔کے): ڈاکٹر رابعہ حیدر
ایڈیٹر کویت: محمد عمر
فوٹو گرافر: ذوالقرنین حیدر
مارکیٹنگ اینڈ سرکولیشن: معیز احمد



علامہ اقبالؒ: بامقصد عملی زندگی کی روشن مثال

اُنہوں نے حالات کے چیلنج قبول کئے اور وہ راستہ اختیار کیا جو شکستہ دلوں میں روحِ تازہ پیدا کر سکے



اویس حیدر شیخ

علامہ اقبالؒ کی شخصیت میں اسلامی تعلیمات راسخ تھیں، لہٰذا ان کا عقیدہ تھا کہ اسلام حق ہے اور حق مغلوب نہیں ہوسکتا، مگر جب چشم ہوش سے دیکھا تو فقط یہی نہیں کہ وہ جس وطن میں نشو ونما پا رہے تھے، وہی غیر مسلموں کا غلام تھا بلکہ تقریباً پورا عالم اسلام غیروں کے پنجۂ استبداد میں صید زبوں تھا۔ جنگ عظیم اول کے خاتمے پر آخری جھنڈا جو ترکوں نے اپنے کمزور اور بیمار ہاتھوں میں تھام رکھا تھا، وہ بھی سرنگوں ہوگیا۔ برعظیم کی مسلم آبادی دوہری مصیبت میں مبتلا تھی۔ ایک طرف انگریز کا استعمار تھا اور دوسری طرف ہندو اکثریت کا معاشی تسلط، ہندو قوم کا تہذیبی تسلط بھی انگریز کے تہذیبی تسلط کے ساتھ ساتھ کارفرما تھا۔ اس دور میں دنیا کے اندر جمہوری آوازے بلند ہونے لگے۔ ہندو قوم کے لئے یہ آوازے بڑے خوش آئند تھے۔ مراد یہ کہ ہندوؤں کو جمہوری نغموں میں اپنی فتح کا میٹھا رس محسوس ہو رہا تھا۔ مسلمان پورے برعظیم میں چوتھائی کے قریب بھی بمشکل تھے۔ ہندو 75 فیصد تھے۔ چنانچہ جمہوری طرز حکومت کی بدولت وہ سارے برعظیم پر قابض ہو سکتے تھے۔ یہ خواب کتنا خوش آئند تھا!

حضرت علامہ جیسا صاحب نظر و بصر آدمی جانتا تھا کہ غلام اقوام معاصر دور کی غالب اقوام کے نظریۂ حیات اور فلسفے کے حضور میں گردن ڈال دیتی ہیں۔ یہی عالم پورے مشرق کا ہوا۔ یہی عالم ہر اسلامی معاشرے کا ہوا۔ حضرت علامہ کے معاصر دور کا فلسفہ سرتاسر مادی تھا۔ اس سے مخصوص مغربی تصورِ وطنیت و قومیت ابھرا جو اسلامی روح سے متصادم تھا۔ اقوام غالب کا یہی مخصوص فلسفہ تھا، چنانچہ پوری دنیائے آدم ہوس کی افراتفری میں مبتلا ہوگئی۔ انسانیت گویا بامعنی کلمہ ہی نہ رہا، مراد یہ کہ انسانی اقدار پائمال ہونے لگیں اور یہی رویہ دنیا کا چلن بن گیا، اس لئے کہ یہی شاہی سکہ رواں تھا۔ پھر امت مسلمہ میں ہزاروں کوتاہ نظر وہ بھی تھے جو اقوام غالب کی اس روش کے اندھے نقال بن گئے اور بنتے جا رہے تھے۔ جب مادہ پرستی ہی دین بن جائے اور روحانی معیارات ناپید ہو جائیں تو دہریت لازماً ظہور میں آتی ہے، حواس خمسہ سے آگے کچھ دکھائی ہی نہیں دیتا اور حواس خمسہ بھی لذت حدود کے قیدی ہو کر رہ جاتے ہیں۔ غرض حضرت علامہ کو غلامی، بزدلی، بے بصر نقالی، دہریت اور ہوس کے خلاف آواز بلند کرنا پڑا۔ انہیں حریت کے گیت گانے پڑے۔ انہیں اخوت اور شجاعت کا درس دینا پڑا۔ انہیں فقر و استغنا کی مستی روحوں میں راسخ کرنا پڑی۔ انہیں دنیا داروں کو جھنجھوڑنا پڑا۔ اس طرح انہیں دینداروں کو بھی جھٹکانا پڑا۔ گویا ان کے اندر کی دنیا ان کے باہر کی دنیا سے متصادم تھی۔ یہ تصادم ان کے دم آخر تک جاری رہا۔ وہ جانتے تھے کہ نور و ظلمت اور خیر و شر کی یہ جنگ بے پایاں ہے، اسے تا ابد رہنا ہے۔

ستیزہ کار رہا ہے ازل سے تا امروز
چراغِ مصطفوی ﷺ سے شرارِ بولہبی

قومیت و وطنیت کا معاصر فلسفہ اسلام کے عطا کردہ نظریۂ اخوت آدم سے صریحاً متصادم تھا۔ برعظیم پاک و ہند کے اندر بھی اور باہر بھی، مسلمان اقوام اور معاشرے اس کی زد میں آ رہے تھے۔ جہاں مسلمان اکثریت میں تھے، وہاں اس نظریے سے انہیں اپنے وطن کے اندر کوئی زیادہ نقصان نہیں پہنچا تھا لیکن تکلیف دہ امر یہ تھا کہ "امت" کا تصور دھندلا رہا تھا۔ برعظیم کے اندر جہاں مسلمان اقلیت میں تھے، اور اسی طرح دنیا کے بعض دیگر ممالک میں جہاں مسلمان اقلیت میں تھے، اس قومیت و وطنیت کے جدید موقف کے باعث اپنی حیثیت اور اپنے تشخص کی پامالی کے خوف سے دوچار تھے۔ اسلوب احمد انصاری حضرت علامہ کے کلمات نقل کرتے ہوئے لکھتے ہیں:

"جو کچھ قرآن سے میری سمجھ میں آیا، اس کی رو سے اسلام محض انسان کی اخلاقی اصلاح ہی کا داعی نہیں بلکہ عالم بشریت کی اجتماعی زندگی میں ایک تدریجی گہرا احساس انقلاب بھی چاہتا ہے جو اس کے قومی اور نسلی نقطۂ نگاہ کو یکسر بدل کر اس میں خالص انسانی ضمیر کی تخلیق کرے"۔۔۔ کہنے کا مطلب یہ ہے کہ حضرت علامہؒ کی شخصیت جن اقدار اور نظریات پر ترتیب یاب ہوئی تھی، وہ اتنے راسخ اور مستحکم ہو گئے تھے کہ وہ جملہ عصری عناصر جو ان اقدار اور نظریات کے مخالف تھے، گویا حضرت علامہؒ کو دعوت مبارزت دے رہے تھے۔ ایک عام اور معمولی شخص جو اپنے عقائد و تصورات کو معاشرے یا ماحول کے عقائد و مراسم سے مختلف دیکھتا ہے، وہ یا تو ارد گرد کا اثر قبول کر لیتا ہے یا پھر یہ کہ اپنا ایمان بچانے کے درپے رہتا ہے۔ لیکن بعض وہ افراد ہوتے ہیں جو اپنا ایمان بچانے یا اپنی ہی روش کا دفاع کرنے کو کافی نہیں سمجھتے بلکہ وہ مخالف ماحول کو مسخر کرنے کے درپے ہوتے ہیں، لہٰذا اپنے معاشرے میں انقلاب برپا کرنے کی خاطر مصروف جہاد ہوتے ہیں اور پھر اپنے عزم صمیم اور ایمان مستحکم کی بدولت اس جہاد میں کمی دم آخر تک میں آنے نہیں دیتے۔ یہی فرق ہے ایک عام صاحب ایمان میں اور اس خاص صاحب ایمان میں، جو مرد میدان بھی ہو۔۔۔ وہ ناموافق احوال کے سامنے گردن نہیں جھکاتا، وہ نعرۂ جنگ بلند کرتا ہے۔ اپنے لئے زندہ رہنے والے تو کروڑوں اور اربوں گزرے ہیں مگر دوسروں کی خاطر، معاشرے اور انسانیت کی خاطر زندہ رہنے والے کتنے لوگ ہوتے ہیں؟ خود اپنی غرض کی خاطر اور تکمیل آرزو اور تحصیل ہوس میں بھی افراد میدان میں اترتے ہیں۔ فتوحات اور تسخیرات کا شوق پورا کرتے ہیں۔ لیکن ظاہر ہے کہ وہ عمل دوسروں کے درد کی ترجمانی نہیں، دوسروں کو ذوق طلب اور شوق ترقی سے ہمکنار نہیں کرتا۔ افراد اپنی ہوس کا حکم نافذ کر کے بعض اوقات اپنی ہی سوسائٹی کو برباد کر کے رکھ دیتے ہیں۔ تماشا دکھاتے ہیں اور مداری چلے جاتے ہیں۔ خون بہاتے ہیں اور روانہ ہو جاتے ہیں۔ ان کا بھی ایک رول ہے۔ وہ بھی تاریخ کے دھارے کو متاثر کرتے ہیں، مگر ان میں اور ایک دردمند اصلاح آموز مجاہد میں زمین و آسمان کا فرق ہے۔ چنگیزی فتوحات اور معاملہ ہے، روحانی نصرتیں اور مسئلہ ہے۔ روحانی نصرتیں بھی تاریخ کا دھارا موڑ دیتی ہیں، اور نصرتوں سے ہمکنار ہونے والے افراد محض ممالک اور اقوام کی تسخیر اور تہذیب کا ذوق پورا کرنے والے یورش کنندگان کے مقابل کم اہمیت کے حامل نہیں ہوتے۔

موبائل اور ٹیپ



حفیظ اللہ خان

گزشتہ سے پیوسط

اب میرے لیے موبائل کو چھپانا ایک مستقل چیلنج بن چکا تھا۔ امی کی مسلسل نگرانی نے میرے اندر ایک خوف پیدا کر دیا تھا مگر عشق کا جنون بھی اپنی جگہ تھا۔ کچھ دیر بعد میں نے کمال کو کال کی لیکن ان کا نمبر بند جا رہا تھا پھر میں نے میری اسی رازدار سہیلی ریحانہ جو ہمیشہ میرے معاملات میں شریکِ حال رہتی کو کال کی۔ کال اٹینڈ کرنے پر میں نے بے تابی سے اسے کہا:

" کمال سے کہو اب مزید انتظار ممکن نہیں۔ وہ میرے لئے آج ہی رشتہ بھیج دے ورنہ میں اس قید میں دم گھٹ کر مر جاؤں گی۔"

میری آواز میں بے بسی اور بے صبری جھلک رہی تھی۔ میرا دل اس قید جیسی زندگی سے نکل کر کمال کے ساتھ آزاد ہو جانے کا خواب دیکھ رہا تھا۔۔۔۔۔۔۔ ریحانہ نے وعدہ کیا کہ ابھی ہی تمھارا پیغام اسے پہنچ جاونگی۔

آخر کار میں نے ایک ترکیب سوچ لی۔ میں نے اپنا موبائل ایک مضبوط ٹیپ کے ذریعے پلنگ کے نیچے والے حصے میں چسپاں کر دیا اس طرح کہ کسی کو شک بھی نہ ہو اور میرا راز بھی محفوظ رہے۔ لیکن یہ ترکیب بھی مجھے سکون نہیں دے پا رہا تھا۔ ایک طرف امی کی نگرانی اور دوسری طرف کمال سے دوری کا غم مجھے اندر سے کھا رہا تھا۔۔۔۔۔۔۔

کمال کا خاندان تو ایک عام گھرانہ تھا۔ ان کا والد 'رحمتے چاچا' گاؤں میں نمبردار کا مزارعہ تھا کمال کی ماں بھی کھیتوں میں ان کے ساتھ ہاتھ بٹاتی تھیں۔ ان کے پاس ایک چھوٹا سا مکان تھا جس میں صرف دو کمرے تھے۔ ایک بڑی بہن تھی جو شادی کے بعد اپنے سسرال جا چکی تھی اور ایک 12 سالہ چھوٹی بہن سُنبل جو گھر پر رہتی تھی۔ ان کا طرزِ زندگی بالکل سادہ اور محدود تھا مگر میری محبت نے ان سب باتوں کو میری نظروں سے اوجھل کر دیا تھا۔

میں اس وقت اپنی دنیا میں اتنی گم تھی کہ مجھے نہ تو ان کی غربت کا احساس تھا نہ ان کے حالات کا۔ مجھے صرف اپنی خواہش نفس کی تکمیل کی فکر تھی اور کمال کو پانے کی بے تابی میں مجھے باقی سب کچھ بے معنی لگ رہا تھا۔

☆☆☆☆☆

کمال کا باپ راضی نہیں تھا:

اس سے پہلے بھی کئی بار میں نے کمال سے رشتہ بھجوانے کا کہا تھا لیکن وہ بات کو ٹال دیتا تھا پتہ نہیں کیوں؟؟؟؟؟؟؟ کمال کی ماں نے ہمارے گھر رشتہ بھیجنے میں کافی وقت لگا دیا۔ میں اندر ہی اندر بے چین تھی اور گمان کر رہی تھی کہ شاید کمال کا خاندان ہماری طرف راضی ہو چکا ہوگا۔ مگر اس حقیقت کا بعد میں مجھے علم ہوا حقیقت یہ تھی کہ کمال کے والد کو اُس پر بھروسہ نہیں تھا۔ ان کا خیال تھا کہ کمال پہلے کوئی کام کاج شروع



کریں تب۔۔۔۔۔۔۔ اور ان کی نظر میں ابھی وہ شادی کے لائق نہیں تھا کمال نے کام کرنے کا وعدہ کیا اور مسلسل اصرار کے باوجود والد کو راضی نہ کر سکا۔

میں اپنے کمرے میں تھی جہاں میرے دل و دماغ میں خیالات کی جنگ جاری تھی۔ ایک طرف کمال کی محبت کا خمار تھا جو میرے لیے سب کچھ تھا اور دوسری طرف میری ماں کی ناراضگی جس کی شدت ہر گزرتے لمحے کے ساتھ بڑھتی جا رہی تھی۔ میری ماں نے اس وقت مجھ پر سختی کا جو فیصلہ کیا وہ شاید کسی بھی ماں کے لیے کرنا آسان نہ تھا۔ وہ میرے کمرے کے دروازہ میں کھڑی ہو کر زور سے کہنے لگی: "شگفتہ، میں جانتی ہوں کہ تم ناراض ہو، روٹھی ہوئی ہو۔ لیکن ہم یہ سب میں تمہاری بھلائی کے لیے کر رہے ہیں۔ یہ محبت نہیں صرف ایک ہوس ہے، ہوس،،،،، راہ گناہ ہے،،،،، جس میں نہ جانے کتنے پردہ دار گھروں کی عزت خاک میں مل گئی ہیاس طرح تم بھی خود کو اور ہمیں برباد کر رہی ہو۔"

میں نے ان کی باتوں کو نظر انداز کرتے ہوئے دل ہی دل میں یہ سوچا کہ وہ میرے جذبات کو سمجھ نہیں سکتیں۔ میرے لیے کمال میرا خواب تھا اور میں اس خواب کو حقیقت میں بدلنے کے لیے ہر حد تک جانے کو تیار تھی۔

لیکن وہ رات میرے لیے ایک نئے احساس کی شروعات تھی۔ ماں کی باتوں نے میرے دل میں کہیں نہ کہیں ایک شک کی گنجائش پیدا کر دی تھی کہ کیا واقعی کمال میرے لیے صحیح ہے؟ کیا یہ محبت میرے لیے خوشیوں کا باعث بنے گی یا میرے خاندان کے وقار کو نقصان پہنچائے گی؟؟؟؟؟؟؟

اسی کشمکش میں وقت گزرتا جا رہا تھا لیکن میں اپنی محبت کے حصار میں قید تھی اور اس حصار سے نکلنے کے لیے شاید میں خود کو تیار نہیں کر پا رہی تھی۔

☆☆☆☆☆

نئی سازش کا آغاز:

اسی دن دوپہر کے وقت میں نے موبائل نکالا اور کمال سے رابطہ کیا "شگفتہ، والد کو تقریباً منا لیا ہے۔ بس تمہیں صبر کرنا ہوگا۔ میں کسی بھی حال میں تمہیں حاصل کر ہی رہوں گا چاہے کچھ بھی کرنا پڑے۔ یہ میرا وعدہ ہے۔" کمال نے کہا۔

یہ بات سنتے ہی میرے دل میں امید کی ایک کرن جاگ اٹھی میں نے سوچا کہ شاید ان کے والد کا رویہ بدل جائے اور سب ٹھیک ہو جائے۔ لیکن یہ خیال میرے خوابوں کی ایک اور دنیا بن کر رہ گیا۔

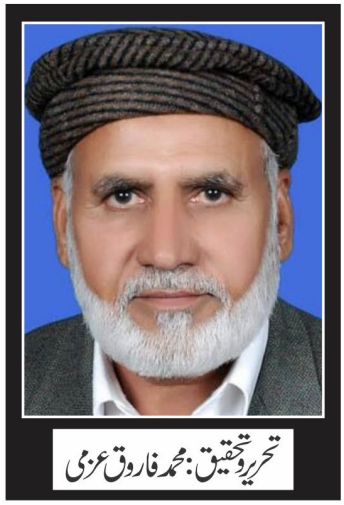
کمال نے مزید کہا کہ وہ مجھ سے آج ہی ملاقات کرنا چاہتا ہے میں نے پہلے تو انکار کیا لیکن اس کی محبت نے مجھے مجبور کر دیا۔ میرے دل میں اب ایک نئی کھینچا تانی شروع ہو چکی تھی۔ ماں کی باتیں، شاہ زمان بھائی کی حرکتیں اور کمال کی محبت لیکن ابو کی گھر میں غیر موجودگی۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔

کمال کی محبت کی شدت نے میرے فیصلوں کو قابو میں لے لیا۔ میں نے پہلی بار اپنے گھر کے اصولوں کو توڑا اور اس سے ملنے کی تیاری شروع کی۔ لیکن دل کے کسی کونے میں ایک خوف تھا ایک انجان ڈر جو مجھے بے چین کیے جا رہا تھا۔ کیا یہ محبت حقیقت ہے یا محض ایک خواب۔۔۔۔۔ یا حرص؟

اسی سوچ میں، میں نے وہ ملاقات کے لیے قدم بڑھایا جو شاید میری زندگی کا سب سے اہم موڑ ثابت ہونے والا تھا۔

ISSN # : 3080-9746

خودکشی نہیں، زندگی کا انتخاب کیجیے



تحریر وتحقیق: محمد فاروق عزمی

گذشتہ دنوں ایک جواں سال لڑکی، جس کا نام پائل بتایا جاتا ہے اور جس کا تعلق کشمیر سے تھا، "بائے بائے پاپا" کہتے ہوئے دریائے چناب میں کود گئی، کبھی کوئی طالب علم امتحان میں ناکامی پر خودکشی کر لیتا ہے، کبھی کسی نوجوان کو محبت میں ناکامی زندگی سے بیزار کر دیتی ہے۔ کبھی گھریلو جھگڑے، معاشی پریشانیاں، بے روزگاری، تنہائی، ذہنی دباؤ یا کسی وقتی صدمے سے انسان زندگی کا خاتمہ کر بیٹھتا ہے۔ اب کراچی سے خبر آئی ہے کہ ایک ڈاکٹر اپنی بیوی اور تین بچوں سمیت اپنے گھر میں مردہ پایا گیا۔ گمان ہے کہ ڈاکٹر عمر نے بیوی بچوں سمیت خودکشی کی ہے۔

کیا موت ہی واحد راستہ ہے، جو پریشانیوں، ناکامیوں اور مسائل کا حل ہے؟ خودکشی گناہ کبیرہ ہے۔ زندگی تو اللہ تعالیٰ کی نعمت ہے۔ اللہ کی عطا کردہ اس عظیم نعمت کا شکر ادا کرنے کے بجائے موت کو گلے لگا لینا سراسر ناشکری اور کفرانِ نعمت ہے۔ انسان اپنے وجود کا مالکِ مطلق نہیں بلکہ اللہ تعالیٰ کا بندہ ہے اور اس کی جان بھی اللہ ہی کی امانت ہے۔ اسی لیے اسلام نے انسانی جان کی حرمت کو غیر معمولی اہمیت دی ہے۔ کسی بھی انسان کو اپنی جان لینے کا اختیار نہیں دیا گیا۔ اور پھر ہر انسان رشتوں میں بندھا ہوا ہے۔ آپ کے والدین، بہن بھائی، بیوی بچے، عزیز رشتے دار، دوست احباب آپ کو زندہ دیکھنا چاہتے ہیں، وہ آپ سے محبت کرتے ہیں، آپ کی کچھ ذمہ داریاں بھی ہوں گی۔ آپ اپنی جان لے کر اتنے سارے انسانوں کو کیسے صدمات سے دوچار کر سکتے ہیں۔ ہوسکتا ہے آپ کا مسئلہ بہت بڑا ہو، لیکن حقیقت یہ ہے کہ کوئی بھی مسئلہ زندگی سے بڑا نہیں ہوتا۔ بلکہ خودکشی خود مسائل پیدا کرتی ہے۔

اسلامی شریعت میں خودکشی حرام اور کبیرہ گناہ ہے۔ انسان کسی تکلیف یا پریشانی کی وجہ سے اپنی جان لینے کا مجاز نہیں۔ سورۃ النساء کی آیت نمبر 29 میں اللہ تعالیٰ اہل ایمان سے فرماتا ہے۔ ترجمہ!" اور اپنے آپ کو قتل نہ کرو بے شک اللہ تم پر بہت مہربان ہے" یہ آیت خودکشی کے بارے میں نہایت واضح راہنمائی فراہم کرتی ہے۔ اللہ تعالیٰ نے صرف دوسروں کو قتل کرنے سے منع نہیں فرمایا بلکہ اپنے آپ کو قتل کرنے سے بھی صریحاً منع فرمایا ہے۔ غور کیجیے اس آیت کے آخر میں اللہ تعالیٰ نے اپنی صفت "رحیم" بیان فرمائی ہے کہ جس مصیبت، تکلیف یا آزمائش میں تم مبتلا ہو، اللہ اسے جانتا ہے گویا انسان کو یہ بتایا جا رہا ہے کہ اللہ کی رحمت تمہارے ساتھ ہے۔ لہٰذا مایوسی میں اپنی جان ختم کر لینا اللہ کی رحمت سے ناامیدی کے راستے پر چلنا ہے۔





رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے خودکشی کے بارے میں انتہائی سخت وعیدیں بیان فرمائی ہیں، حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا کہ جو شخص اپنے آپ کو جس طریقے سے قتل کرے گا۔ آخرت میں اسے اسی کے ذریعے عذاب دیا جائے گا۔ (صحیح بخاری حدیث نمبر 1365)

ایک دوسری حدیث میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ایسے شخص کے بارے سخت وعید بیان فرمائی جو اپنے آپ کو بلندی سے گرا کر، زہر خورانی سے یا کسی لوہے کے ہتھیار سے قتل کرے۔ (صحیح بخاری حدیث 5778)۔ یہ احادیث ہمیں جھنجھوڑ کر رکھ دیتی ہیں۔ جس زندگی کو اللہ تعالیٰ نے عطا کیا اسے انسان اپنی مرضی سے ختم نہیں کر سکتا۔

زندگی میں دکھ، تکالیف، پریشانیاں آتی ہیں، مگر یہ ہمیشہ نہیں رہتیں۔ دکھ کا موسم سکھ میں بدل جاتا ہے، غم خوشی میں تبدیل ہو جاتا ہے۔ بیماری آتی ہے پھر صحت بھی ملتی ہے۔ غربت آتی ہے تو حالات بدل جاتے ہیں، ہر مشکل کے بعد آسانی ہے۔ امتحان میں ناکامی ہوتی ہے مگر امتحان دوبارا بھی دیا جا سکتا ہے۔ کاروبار میں نقصان ہو گیا مگر کاروبار پھر سے شروع کیا جا سکتا ہے۔ ایک دروازہ بند ہوتا ہے تو سو در کھل جاتے ہیں۔ کوئی رشتہ ٹوٹ گیا، کوئی عزیز بچھڑ گیا۔ رفتہ رفتہ یہ صدمات دھیمے پڑ جاتے ہیں۔ ایک گاڑی چھوٹ گئی، کوئی بات نہیں، اسٹیشن موجود ہے۔ دوسری گاڑی آجائے گی، کسی ایک لمحے کے غم کو، پریشانی یا ناکامی کو بنیاد بنا کر پوری زندگی کو ختم کر لینے کا فیصلہ کر لینا دانش مندی نہیں۔

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے مصیبت کی وجہ سے

ISSN # : 3080-9746

کسی تکلیف پہنچنے کی وجہ سے موت کی تمنا نہیں کرنی چاہیے بلکہ وہ اللہ تعالی سے دعا کرے "اے اللہ! جب تک میرے لیے زندگی بہتر ہے مجھے زندہ رکھ اور جب میرے لیے وفات بہتر ہو تو مجھے وفات دے" (صحیح بخاری حدیث نمبر 5671)

کسی ڈاکٹر کا خاندان سمیت خودکشی کر لینا، کسی بچی کا دریا میں کود جانا، کسی طالب علم کا پنکھے سے جھول جانا، یہ صرف چند واقعات نہیں یہ ہمارے گھروں، ہمارے تعلیمی اداروں، ہمارے معاشرے اور ہماری اجتماعی زندگی اور تربیت کے لیے ایک سوالیہ نشان ہے۔ کبھی کبھی زندگی انسان کو ایسے موڑ پر لا کھڑا کرتی ہے کہ جہاں ہر طرف اندھیرا دکھائی دیتا ہے۔ دل پر بوجھ بڑھ جاتا ہے۔

آنکھوں کے سامنے راستے دھندلا جاتے ہیں، انسان مایوس ہونے لگتا ہے جیسے اب آگے کچھ نہیں ہے۔ جیسے اس تکلیف سے نکلنے کا صرف ایک ہی راستہ باقی رہ گیا ہے اور وہ ہے، موت، خودکشی!! نہیں خودکشی کو نہیں زندگی کو آواز دیجیے اللہ کی طرف رجوع کیجیے۔ اللہ کی آواز، امید کی آواز ہے، قرآن کی راہنمائی، روشنی کا راستہ ہے، قرآن کہہ رہا ہے تمھارے لیے وہ راستے باقی ہیں جنھیں تم دیکھ نہیں پا رہے۔ تمھاری آنکھیں بند ہیں، شعور اندھا ہے لیکن اللہ کی رحمت

آج خودکشی کے واقعات میں ایک بڑا المیہ ہمارے بچوں اور نوجوان نسل کی ذہنی کیفیت ہے۔ نتیجہ آیا، نمبر کم آئے، بچہ فیل ہو گیا۔ گھر میں ماتم برپا ہو گیا۔ جیسے بچہ امتحان میں نہیں زندگی میں فیل ہو گیا ہو۔ والدین کی ڈانٹ ڈپٹ، بہن بھائیوں کے طعنے، دیکھو فلاں نے اتنے نمبر لے لیے، تم نکمے ہو، تم سے کچھ نہیں ہو سکتا، ہم نے اتنا خرچ کیا، تم نے کیا کیا؟ دوستوں کا مذاق، رشتے داروں کا طنز، شرمندگی۔

ہمیں یہاں رک کر سوچنا چاہیے کیا چند نمبر ہمارے بچے کی زندگی سے زیادہ قیمتی ہیں: ایک امتحان تھا، دوبارا دیا جا سکتا ہے، ایک سال اور پڑھا جا سکتا ہے، یہی مضمون دوبارا پاس کیا جا سکتا ہے۔ بچے کو حوصلہ دیجیے، سہارا دیجیے، اسے کہیے، بیٹا، نتیجہ خراب آیا ہے، تم خراب نہیں تم امتحان میں ناکام ہوئے ہو ہماری محبت میں نہیں، ہمیں تمھارے نمبروں سے نہیں تمھاری ذات سے پیار ہے۔ ممکن ہے آپ کا محبت بھرا ایک جملہ اس کو مایوسی سے نکال کر زندگی کی شاہراہ کا مسافر بنا دے۔

جب کوئی شخص مایوس ہو جائے، نا امید ہو جائے اپنی جان لینے کی بات کرے۔ اسے خاموش نہ کرائیں، بلکہ اس کے پاس بیٹھیں، اس کی بات سنیں، اسے تنہا نہ چھوڑیں۔

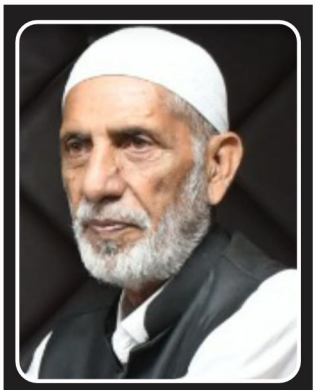
ایسے شخص کو آپ کے وعظ کی نہیں محبت کی ضرورت ہے گفتگو کریں، تنہائی سے بچائیں۔ بیٹا فیل ہو گیا، اسے گلے لگائیں اور کہیں کوئی بات نہیں، بیٹی کے نمبر کم آ گئے۔ اس کے سر پر اپنا دست شفقت رکھ دیں۔ اور اس سے کہیں۔ میری گڑیا، چلو دوبارا کوشش کریں گے "ناکامی کے بعد کامیابی ہے غلطی کے بعد اصلاح ہے۔ اور سب سے بڑھ کر اللہ موجود ہے۔ وہ مدد کرے گا وہ بہت مہربان ہے۔

اسے بتائیں زندگی بہت خوبصورت ہے۔ خزاں آتی ہے تو بہار بھی آتی ہے۔ رات کتنی ہی طویل ہو صبح ضرور ہوتی ہے۔ بادل کتنے ہی گھنے ہوں سورج اپنی جگہ موجود رہتا ہے۔ غم کا موسم ہمیشہ نہیں رہتا۔ ناکامی اختتام نہیں ایک نئے آغاز کا پیغام ہے۔

میں ہر اس شخص کو جو زندگی سے تھک چکا ہے، کہنا چاہتا ہوں، یہ رات گزر جائے گی، یہ غم بھی گزر جائے گا، ناکامی کامیابی میں اور مشکل آسانی میں ڈھل جائے گی۔ اپنے رب کی طرف پلٹو، جو ہر رات کے بعد سویرا طلوع کرتا ہے۔ زندگی اللہ کی عطا ہے اسے ایک وقتی غم یا ناکامی کے ہاتھوں مت ہارنے دو۔ بائے بائے پاپا" کہہ کر دریا میں مت کود جاؤ، بلکہ اپنے بابا کے کاندھے پر سر رکھ کر مسکراتے ہوئے موت کی آنکھوں میں آنکھیں ڈال کر زندگی کو آواز دو۔ مایوسیوں کو امید کے دریا میں پھینک کر زندگی کو گلے لگاؤ۔



بابائے صحافت مولانا ظفر علی خان



تحریر: حکیم راحت نسیم سوہدروی

انیسویں صدی کے آخر سے قیام پاکستان تک کوئی ایسی ملی دینی اور سیاسی تحریک نہ ہوگی، جس میں بابائے صحافت مولانا ظفر علی خانؒ کا کردار قائدانہ حیثیت کا نہ ہو۔ جنگ طرابلس ہو یا جنگ بلقان، تحریک خلافت ہو تحریک عدم تعاون، افغان آزادی کا سوال ہو یا مسئلہ فلسطین، شیخ سنوسی کی تحریک جہاد ہو یا عربوں کی آزادی کا سوال، شدھی و سنگھٹن کی تحریک ہو یا فتنہ راج پال دروتمان، تحریک حریت کشمیر ہو یا مسجد شہید گنج کا مسئلہ، مسئلہ حجاز ہو یا اسلامی بازار کی مہم، مغل پورہ انجینئرنگ کالج کے پرنسپل کے خلاف احتجاج ہو یا انگریزی استبداد سے ٹکرا؟، سائمن کمیشن ہو یا نہرو رپورٹ، تحریک پاکستان ہو یا تحریک ختم نبوت، دین دشمن تحریکیں ہوں یا آزادی صحافت کا سوال مولانا ظفر علی خانؒ ایک آتش نوا مقرر اور جادو نگار اہل قلم، نڈر عوامی راہنما اور قادر الکلام شاعر کے طور پر پیش پیش رہے۔ سچی بات تو یہ ہے کہ فرنگی حکمرانوں کا خوف نکالنے اور بیداری ملت کا فریضہ جس طرح مولانا ظفر علی خانؒ نے سرانجام دیا اور تحریر و تقریر سے جو خدمات کیں اس کے لئے ذکر کے لئے ایک دفتر درکار ہے، علامہ اقبالؒ نے ان خدمات کا اعتراف اس طرح کیا کہ ان کے قلم کی کاٹ کو مصطفیٰ کمال کی تلوار سے تشبیہ دی، جبکہ قائداعظمؒ نے ان کی خدمات کا اعتراف یوں کیا کہ 1937 میں شاہی مسجد لاہور میں خطاب کرتے ہوئے کہا کہ اگر مجھے مولانا ظفر علی خان جیسے دو چار افراد اور مل جائیں تو مَیں آپ کو یقین دِلاتا ہوں کہ غلامی کی زنجیریں بہت جلد کٹ سکتی ہیں۔ بدنام زمانہ انگریز گورنر سر مائیکل اڈوائر جو گورنر پنجاب رہنے مولانا کی عظمت کو یوں تسلیم کیا کہ مولانا ظفر علی خان ماں کے پیٹ سے بغاوت کا قلم لے کر پیدا ہوئے۔ الغرض مولانا صلاح الدین احمد کے بقول مولانا ظفر علی خانؒ کے نام اور کام کے بغیر ہماری تحریک آزادی کا تذکرہ مکمل نہیں ہوسکتا۔

مولانا ظفر علی خانؒ نے جس وقت میدانِ سیاست میں قدم رکھا آج کا پاکستان سیاسی لحاظ سے قبرستان تھا، انگریزی اقتدار کا اِس قدر دبدبہ تھا کہ پورا گاؤں لال پگڑی والے ایک سپاہی سے لرزہ براندم ہو جاتا مگر مولانا غلامی کی اس سیاہ رات میں آزادی کے حسین خواب کی تعبیر کے لئے حالات و واقعات سے بے پرواہ ہو کر نکل کھڑے ہوئے اور اپنی مسیحا نفسی سے ملت کو نئی زندگی بخشی، جس سے ملت جدوجہدِ آزادی کے لئے تیار ہوگئی اور اس کے نتیجے میں پاکستان معرض وجود میں آیا۔

مولانا ظفر علی خانؒ کو اللہ تعالیٰ نے بے پناہ صلاحیتوں اور خوبیوں سے سرفراز اتھا وہ بیک وقت صاحبِ طرز ادیب، آتش نوا مقرر، قادر الکلام شاعر، لاجواب مترجم، عظیم صحافی، نڈر عوامی رہنما اور سب سے بڑھ کر سچے و پکے مسلمان تھے، زندگی میں جس سرگرمی و تحریک میں حصہ لیا اس کا مقصد واحد اسلام کی سربلندی رہا اور ہمیشہ اپنے مسلمان ہونے پر فخر کیا فرماتے ہیں۔



ہوتا ہے جہاں نام رسول خدا بلند
ان محفلوں کا مجھ کو نمائندہ کر دیا
سرکارِ دو جہاں کا بنا کر مجھے غلام
میرا بھی نام تا ابد زندہ کر دیا

ایک اور جگہ فرمایا:

اتنی ہی آرزو ہے میرے دِل میں اے خدا
اسلام کو زمانے میں دیکھوں میں سربلند
دُنیا میں سرنگوں علم مصطفےٰ نہ ہو
ہم خواہ ذلیل ہوں یا ارجمند

مولانا ظفر علی خانؒ ضلع سیالکوٹ کے ایک چھوٹے سے گاؤں کوٹ میرٹھ میں 1872ئمیں پیدا ہوئے، والد مولوی سراج دین جید عالم و فاضل شخصیت تھے اور محکمہ ڈاک میں ملازم تھے۔ ابتدائی تعلیم اپنے دادا مولوی کرم الٰہی سے حاصل کی۔ مشن سکول وزیر آباد سے مڈل کا امتحان پاس کیا اور مزید تعلیم کے لئے ریاست پٹیالہ چلے گئے، جہاں ان کے پھوپھا عربی کے پروفیسر تھے، جہاں انہوں نے میٹرک کا امتحان پاس کیا۔ سکول میں دورانِ تعلیم کا ایک دلچسپ واقعہ ہے کہ ان کے ایک ماسٹر مکھن لال افیم (افیون) کے عادی تھے اور وہ اس کے لئے طلبہ سے پیسے اکٹھے کرتے تھے۔ ایک روز ترنگ میں آکر انہوں نے ایک مصرعہ پڑھا:

واہ رے بے نظیر مکھن لال کیا زبان میں تیری طاقت ہے۔

اور اعلان کیا جو اس مصرعہ پر گرہ لگائے گا مَیں اس کے پیسے معاف کر دوں گا۔ سب طلبہ نے کوشش شروع کر دی، مگر ظفر علی خان نے جلد سے اُٹھ کر یہ شعر پڑھ دیا:

ایڑھیاں ہیں تیری لمبی سی
تنگڑیوں میں تیری طاقت ہے
تُو تو ہوتا کہیں کا چپڑاسی
یہاں پڑھانا تیری حماقت ہے

یہ سنتے ہی مکھن لال آگ بگولا ہو گیا اور طالب علم ظفر علی خان کی پٹائی کر دی، مگر تیر کمان سے نکل چکا تھا۔ سب لڑکوں نے اسے رٹ لیا اور کورس کی صورت پڑھنا شروع کر دیا، جس سے مکھن لال کا دم ناک میں آ گیا اور سکول آنا چھوڑ دیا اور مکھن لال نے افیم کے لئے طلبہ سے رقم لینا بند کر دی۔

میٹرک پاس کر کے ظفر علی خان سری نگر چلے گئے، جہاں مولوی سراج دین محکمہ ڈاک میں ملازمت کرتے تھے اور ملازمت کی کوشش کرنے لگے اور ایک روز ظفر علی خان ڈاکخانہ کے احاطے میں دھوپ میں بیٹھے تھے کہ ایک انگریز فوجی وردی میں ملبوس آیا اور ظفر علی خان کو بیٹھے دیکھ کر کہا "اولڑکے! اِدھر آ؟ گھوڑے کی باگ پکڑو" مگر ظفر علی خان نے اس آواز پر کان نہ دھرا، جس پر انگریز بڑا سیخ پا ہوا اور دوبارہ بولا: لڑکے! تم نے سُنا نہیں، اِدھر آ؟ اور گھوڑے کی باگ پکڑو"۔ ظفر علی خان نے انگریز کو غور سے دیکھا اور سنجیدگی سے جواب دیا، جناب! معاف کریں مَیں آپ کا ملازم یا غلام نہیں ہوں۔ انگریز کسی ہندوستانی کی زبان سے یہ سُن کر سخت غصہ میں آ گیا اور آگے بڑھ گیا اور واپس جا کر انگریز ریذیڈنٹ سے شکایت کی کہ مولوی سراج دین کو ملازمت سے نکال دیا جائے، مگر مولوی سراج دین کی کوشش سے یہ معاملہ رفع دفع کرا دیا۔ اس طرح مولوی سراج دین کی ملازمت بچ گئی، مگر نوجوان ظفر علی خان کے ذہن میں انقلابی سوچ پیدا ہوئی اور فرنگی حکمرانوں کے خلاف بغاوت کا مادہ پیدا ہوا۔ اب ظفر علی خان نے دِل سے ملازمت کا تصور نکال کر مزید تعلیم کے لئے علی گڑھ مسلم یونیورسٹی چلے گئے، جو ان دِنوں محمڈن ایم اے او کالج تھا اور تعلیم پر متوجہ ہو گئے۔ علی گڑھ کی علمی، ادبی اور ملی فضا نے ان کی

ISSN # : 3080-9746

استعداد سامنے آگئی، اس زمانے میں پروفیسر آرنلڈ اور شبلی نعمانی جیسے استاد یہاں موجود تھے۔ ظفر علی کالج میگزین کے ایڈیٹر اور طلبہ یونین کے سیکرٹری منتخب ہوئے، طلبہ یونین کی ایک تقریب میں جو شبلی نعمانی کے اعزاز میں ہوئی اور صدارت سر سید احمد خان کر رہے تھے۔ ظفر علی خان نے ایک منظوم قصیدہ پڑھا، جس کی سید سلیمان ندوی نے بہت تعریف کی اور سر سید احمد خان نے آگے بڑھ کر ظفر علی خان کو سینے سے لگالیا اور سٹیج پر کھڑے کر کے کہا کہ ظفر علی خان اُن ہونہار نوجوانوں میں سے ایک ہیں جنہیں آگے چل کر ملک وملت کی ذمہ داریاں سنبھالنی ہیں مَیں ان میں ایک روشن مستقبل کے آثار دیکھ رہا ہوں"۔ شبلی نعمانی نے کہا کہ علی



گڑھ کو ظفر علی کی جرات پر ناز رہے گا"

حیدر آباد میں ایک سٹیج ڈرامہ ہوا، ظفر علی خان اس کے مہمان خصوصی تھے اس میں اسلامی شعائر کا مذاق اُڑایا گیا، جب آخر میں ظفر علی خان کو ڈرامے پر اظہارِ خیال اور شکریے کی دعوت دی گئی تو مولانا نے اپنے خطاب میں انگریزی تہذیب وتمدن کی دھجیاں بکھیر دیں اور اسلامی شعائر پر اپنے فخر کا اظہار کیا، جس کا بہت چرچا ہوا۔ مائیکل اڈوائر جو پہلے ہی موقع کی تلاش میں تھا اس الزام کے ساتھ کہ مولانا نظام حیدر آباد کو اپنی پان اسلام ازم کا درس دیتے ہیں، حیدر آباد سے نکال دیا یہاں سے وہ بمبئی آگئے اور میر محفوظ علی بدایونی کے ساتھ مل کر کپڑے کا کاروبار کیا، مگر مولانا کاروباری مزاج کے انسان نہ تھے، نقصان ہوا اور یہاں سے واپس کرم آباد آگئے، جہاں ان کے والد سخت بیمار تھے اور کاشتکاروں کا اخبار "زمیندار" نکالتے تھے، والد نے یہ کہہ کر "زمیندار" ان کے حوالے کر دیا کہ بیٹا! مَیں نے اسے خون سے سینچا ہے اس کی آبیاری کرنا، مولانا جنہیں صحافت کا شوق تھا وعدہ کر لیا اور والد کے انتقال کے بعد باقاعدہ ادارت سنبھال لی۔

"زمیندار" جو کاشتکاروں کا جریدہ تھا کچھ دیر تو کرم آباد سے نکلتا رہا اور اس کو اپنے ذہن کے مطابق بیداری ملت کے لئے استعمال کرنا شروع کیا۔ کرم آباد چھوٹی جگہ تھی، کافی مسائل تھے

مئی 1911ء کو "زمیندار" کا پہلا شمارہ شائع ہوا اور اس کے دورِ نو کا آغاز ہوا، کچھ ہی عرصے میں "زمیندار" کی شہرت پورے برصغیر میں ہوگئی اور اس نے ملت کو بیدار کر دیا اور انگریزی قصر استبداد کی بنیادیں ہلنے لگیں۔ "زمیندار" عوام کا مقبول ترین اخبار بن گیا اس کی مقبولیت کا اندازہ اِس امر سے لگایا جاسکتا ہے کہ جن لوگوں کو اخبار پڑھنا نہیں آتا تھا وہ ایک آنے میں اخبار خریدتے اور ایک آنہ دے کر کسی پڑھنے لکھنے والے سے اخبار سنتے۔ "زمیندار" صرف خواص کا ہی نہیں، عام آدمی کا اخبار بن گیا ورنہ "زمیندار" سے قبل اخبار بینی صرف خواص تک محدود تھی، "زمیندار" وہ پہلا اخبار تھا، جس نے بلقان اور طرابلس کی جنگوں میں بین الاقوامی خبر رساں ایجنسی "رائٹر" کی خدمات حاصل کیں۔ "زمیندار" نے نئی جدتیں پیدا کیں، صحافتی شاعری کا سلسلہ شروع کیا۔

۔ایک دفعہ پریس ضبط ہوا تو فرمایا۔

دِل ضبط جگر ضبط زباں ضبط فغاں ضبط
سب سوز عیاں ضبط سب سوز نہاں ضبط
روکیں گے کیونکر وہ میرے خامہ کی روانی
تنکے سے بھی ہوتا ہے کہیں سیل رواں ضبط
وہ ضبط کریں میری قلم اور دوات کو
ہو جائیں گے خود ان کے تفنگ اور سناں ضبط
تم ضبط زمیندار کے نمبر نہیں کرتے
کرتے ہو میں محمد کا نشاں ضبط

کچھ عرصہ "زمیندار" کا ایک صفحہ انگریزی میں بھی چھپتا رہا۔ حقیقت تو یہ ہے کہ زمیندار غلامی کے دور میں آزادی کی آواز بن کر ابھرا اور مسلمانانِ برصغیر میں آزادی کی تڑپ پیدا کر دی۔ زمیندار نے نصف صدی تک مسلمانوں کی خدمت کی ہے اس اخبار نے ایک ادارے کی حیثیت اختیار کر لی، جس نے اس دور کے نامور صحافی پیدا کئے، جن میں مولانا عبدالمجید سالک، مولانا غلام رسول مہر، مرتضی احمد مکیش، قاضی عدیل کاشمیری، اشرف عطاؤ غیرہ شامل ہیں یہ وہ نام ہیں صحافت جن کی پہچان اور صحافت جن کی شناخت ہے اور یوں بجا طور پر مولانا بابائے صحافت تھے۔ آزادی صحافت کے لئے مولانا لندن بھی گئے اور پریس ایکٹ کے حوالے سے خطاب کیا اور کتابچہ بھی لکھا جو ارکان پارلیمنٹ میں تقسیم کیا۔

مولانا ظفر علی خانؒ ایک بلند پایہ قادر الکلام شاعر تھے انہوں نے غزلیں بھی کہیں ہیں اور نظمیں بھی لکھیں اور صحافتی شاعری بھی کی، وہ بدیہہ گو شاعر تھے، چند منٹوں میں نظم کہہ ڈالتے۔

اس کے علاوہ نعتیں بھی لکھیں جو آج بھی بہت مقبول ہیں۔ ان کی ایک معروف نعت کا شعر ہے:

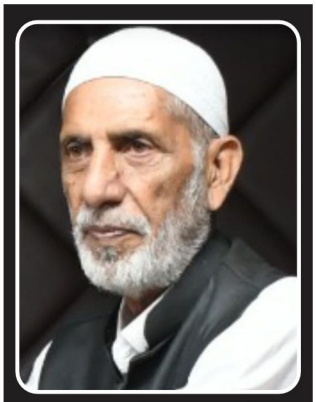
وہ شمع اُجالا جس نے کیا چالیس برس تک غاروں میں
ایک روز چمکنے والی تھی اِس دُنیا کے درباروں میں

نعت گوائی میں ان کے مقام کا اندازہ خواجہ حسن نظامی کے اس قول سے ہو جاتا ہے۔ "کہ ظفر علی خان کی نجات کے لئے یہی توشہ کافی ہے"۔ مولانا ظفر علی خانؒ ایک سادہ اور صاف گو انسان تھے ان کی تمام زندگی کی سرگرمیوں کا محور اسلام کی سربلندی رہا جس مشن یا تحریک میں حصہ لیا اس کا مقصد اسلام کی نشاۃ ثانیہ رہا ان کی زندگی میں کوئی تضاد نہ تھا وہ عملی زندگی میں بھی مسلمان تھے میرے والد ماجد حکیم عنایت اللہ نسیم سوہدروی مرحوم جنہیں مولانا مرحوم کو قریب سے دیکھنے کے مواقع رہے ہیں۔ بتایا کرتے تھے کہ مولانا رات کے پہلے پہر بیدار ہو کر نمازِ تہجد ادا کر کے تلاوت کرتے پھر نمازِ فجر کے بعد لمبی اور تیز تیز سیر کرتے، واپسی پر ناشتہ کرتے جو بڑا سادہ ہوتا، پھر اخبار کا مطالعہ کر کے دن کی سرگرمیوں کا آغاز ہو جاتا۔

قیام پاکستان کے بعد خرابی صحت کے باعث عملی سرگرمیوں سے الگ ہوگئے، ان کی آخری تقریر جامعہ پنجاب لاہور میں اُردو کانفرنس میں بحیثیت مہمان خصوصی ہوئی، جہاں آواز مدہم ہونے کے باعث چند طالب علموں نے آوازے کسے، جس پر مولانا نے فرمایا: "کبھی دُنیا تماشا تھی اور ہم تماشائی، آج ہم تماشا ہیں اور دُنیا تماشائی، جہاں چڑھتے سورج کی پرستش ہوتی ہے وہاں ڈوبتے سورج کو کون پوچھتا ہے۔ مولانا کا یہ کہنا تھا کہ بڑے بڑے دانشور جو مولانا کی عظمت سے آگاہ تھے، آبدیدہ ہوگئے۔ اس کے بعد کچھ عرصہ مری اور پھر کرم آباد رہے، مگر ان کے یہ ایام علالت اور پیری کے عالم میں گزرے، میرے والد حکیم عنایت اللہ نسیم بتاتے تھے کہ وہ ستمبر 56ء میں ملنے کے لئے حاضر ہوئے تو قوتِ گویائی مکمل سلب ہو چکی تھی، پہچان بھی نہ سکتے تھے، البتہ آواز سے جان جاتے تھے، بالآخر یہ مجاہد حریت اور آفتاب 27 نومبر 56ء کو غروب ہوگیا اور اپنے والد کے پہلو میں کرم آباد نزد وزیر آباد میں ہی اپنے والد اور والدہ کے پہلو میں سپردِ خاک ہوئے۔

ISSN # : 3080-9746

سموگ سے محفوظ رہیں۔۔۔مگر کیسے



تحریر: حکیم راحت نسیم سوہدروی

صحت مند زندگی کے لئے ماحول کی حفاظت بہت اہم ہے اس وجہ شہروں نظم ونسق کے ذمہ ادارے جنہیں ٹاون پالانز کا نام دیا جاتا ہے ماحول کو محفوظ بنانے کے لئے خصوصی اقدامات بھی کرتے ہیں اب تو اس حوالے محکمہ ماحولیات کو وجود بخشا جا چکا ہے مگر اس کے باوجود شہر لاہور کی فضاوں کو سموگ نے زہر الودہ کیا ہوائے بلکہ سموگ کے زہریلا پن کی وجہ سے امراض پھیل رہے ہیں اور لوگوں کے لئے سانس لینا مشکل ہورہا ہے عالمی صحتی اداروں کی رپورٹ کے مطابق سموگ کے حوالے لاہور اور دہلی پہلے نمبر پر ہیں جس کی وجہ ان شہروں میں بے ہنگم ابادی کا پھیلاو اور گرین ایریاز یعنی درختوں کا نہ ہونا ہے ماحولیات والوں کے مطابق ہر شہر میں دس فی صد علاقہ درختوں والا یعنی گرین ہونا چاھیئے جن لوگوں اج سے تین چار دہائیاں قبل کا لاہور دیکھا وہ بتائیں گے کہ شہر لاہور میں ہر طرف خاص کر نہر کنارے درختوں کا انبار ہوتا تھا پھر ھاوسنگ سوسائٹیاں بنتی گئیں گرین ایریاز ختم ہوتے گئے اور فضاء الودگی کے سبب سموگ کا، مسئلہ بنتا گیا سموگ فضاء الودگی ہے جس کی وجہ مہلک دھواں چھوڑنے والی گاڑیاں ، فیکٹریاں اور اینٹوں کے بھٹے ہیں اس طرح یہ دھواں پانی کی امیزش سے فضا، میں شامل ہوجاتا ہے اور معلق ہو جاتا ہے جسے سموگ کا نام دیا جاتا ہے 1950 میں یورپ میں صنعتی انقلاب کے نتجہ میں سموگ کا لفظ سامنے ایا سموگ دھند اور دھواں کا امتزاج ہے جب سموگ نے لندن کو اپنی سمیٹ میں لے لیا تو یورپ والے ماحول کی جانب متوجہ ہوے۔

جدید مشینی زندگی نے انسان کے آرام اور سکون کے لئے بہت سی چیزوں کو وجود بخشا ہے مگر اس کے ساتھ ہی بہت سے مسائل صحت کو بھی جنم دیا ہے ان میں اس وقت سے بڑا مسئلہ ماحولیاتی آلودگی ہے ماحول کو خراب کر کے یہ الودگی اور کثافت مختلف انداز میں مسائل صحت کا سبب بن رہی ہے۔ الودگی کی کء اقسام ہیں جن میں پانی کی آلودگی ،فضائی آلودگی، شعاعی الودگی، صوتی الودگی الغرض ان سب نے مسائل صحت پیدا کئے ہیں اور انسان کے لئے صحت اور آرام دہ زندگی مشکل ہو رہی ہے۔ مختلف عوامل کے باعث ہمارے ہاں چند سالوں سے موسم تبدیل ہورہے ہیں۔اس کے ساتھ ایک مسئلہ سموگ بھی بن گیا ہے جو زہریلی اور آلودہ دھند کو کہتے ہیں یہ فضا میں بڑی شدت سے پولویشن کے باعث ہے اور اس وجہ سے فضا میں آلودگی ہے جو سڑکوں پر بڑھتی ہوئی ٹریفک، شہروں میں بے ہنگم آبادی کا پھیلاو، صنعتوں کا پراگندہ دھواں اور درختوں کی کمی ہے ۔شہر لاہور میں تو فضائی آلودگی نے ایک گمبھیر صورت اختیار کر لی ہے عالمی ادارہ صحت نے لاہور کو ایشیا کا سب سے زیادہ فضاء آلودگی والا شہر قرار دے کر حکومت کو منتبہ کر چکا ہے کہ اس حوالے سے فوری اقدامات کئے جائیں اور پاکستان کو دس ممالک میں 7 ویں نمبر پر رکھا جا چکا ہے

میڈیا رپورٹس کے مطابق گذشتہ روز لاہور کے مختلف علاقوں میں ائیر کوالٹی انڈیکس سات سے نو سو پوئنٹس نوٹ کیا گیا جب کہ پانچ سو پوائنٹس بہت خطرناک حالت شمار کی جاتی ہیکہ محکمہ ماحولیات کے مطابق سات کلومیٹر فی گھنٹہ کی رفتار سے فضاء الودگی دہلی سے چندی گڑھ اور پھر امرتسر کے راستہ لاہور اتی ہے اس وقت لاہور میں پرائمری سکول بند کر دیئے گئے ماہرین کا کہنا ہے کہ فروری تک سموگ کا راج رہے گا جب کہ اس وقت شہریوں کی بڑی تعداد متاثر ہورہی ہے ۔اگر چہ یہ ایک عالمگیر مسئلہ ہے 2013 میں عوامی چین میں بھی سموگ کا مسئلہ بن گیا تھا مگر طویل اور قلیل مدتی منصوبہ جات سے 50 فی صد قابو پالیا ہوا ہے اور 2012 میں دنیا بھر میں ستر لاکھ افراد فضائی آلودگی کے باعث جان کی بازی ہار کر لقمہ اجل بن گئے جب کہ پاکستان میں ساٹھ ہزار افراد فضائی آلودگی اور موسمیاتی تبدیلیوں کے باعث موت کی وادی میں چلے گئے ۔ماہرین کا خیال ہے کہ آنے والے چند سالوں میں یہ تعداد 30 فی صد بڑھ جاے گی اس موسمی تبدیلی کی وجہ سے ساحلی اور سمندری ماحول، خشک زمین کا ایکسیسٹم، زراعت، لائیوسٹاک، جنگلات اور صحت کے شعبے بہت متاثر ہوے ہیں اور اس اب سموگ نے جس طرح متاثر کیا ہے اس کے تدارک کے لئے فوری اقدامات لازمی ہو چکے ہیں ورنہ آنے والے سالوں میں صورت حال مزید گھمبیر ہوسکتی ہے

ماحولیاتی آلودگی میں سب سے اہم قسم فضائی آلودگی

ISSN # : 3080-9746

سے جو مسائل صحت پیدا ہوئے ہیں ان میں سانس کا مشکل سے آنا پھیپھڑوں اور آنکھوں کے امراض ہیں اور سموگ شاہراوں کے ساتھ ساتھ گلیوں اور گھروں تک پہنچ رہا ہے جس سے بچے بوڑھے بھی متاثر ہوتے ہیں اس حوالے سے جہاں حکومت کی ذمہ داری

ہے کہ وہ موحولیاتی آلودگی جس میں فضاء آلودگی بھی شامل ہے کے لئے اقدامات کرتے ہوئے درخت لگائے پارک بنائے وہاں عوام کو بھی شعور واگاہی حاصل کر کے حکومت کا ہاتھ بٹانا ہوگا۔ ذراتی مادے جو معدنی ایندھن سے پیدا ہوتے ہیں یہ فضاء الودگی کا اہم عنصر ہیں ائیر کوالٹی انڈکس کا بڑھنا خطرہ کا الارم ہے اس سے ایک ادمی کی اوسط عمر تین سے پانچ سال کم ہوسکتی ہے اگر عالمی ادارہ کے معیارات پر عمل کیا جائے تو اوسط عمر میں اضافہ ممکن ہے امریکہ میں ہونے والی ایک تحقیق کے مطابق فضاء آلودگی حمل کے ابتدائی دنوں میں نہ صرف حاملہ بلکہ بچے کے لئے بھی مضر ثابت ہوتی ہے ہیں ایسا بھی ہوسکتا ہے کہ اگر حاملہ ابتدائی ماہ الودگی والے علاقے میں رکھتی ہے تو بچے کی قبل از وقت ولادت ہوسکتی ہے اس تحقیق میں یہ بتایا گیا ہے کہ حاملہ کا ابتداء دور بڑی نگہداشت اور دیکھ بھال کا تقاضا کرتا ہے اور حاملہ کی رہائش فضاء آلودگی سے پاک اور صاف ستھرے علاقے میں ہونی چاہیے جہاں ٹریفک کم سے کم ہو دھواں اور گرد وغبار نہ ہو اس کے حاملہ اور بچے کی صحت پر اچھے اثرات ہوں گے۔

*سموگ سے محفوظ رہنے کے لئے تدابیر

پانی کا استعمال زیادہ کریں

*بلاضرورت باہر نکلنے سے احتیاط کریں

* گھروں میں دروازے اور کھڑکیاں بند رکھیں

*صفائی میں جھاڑو استعمال نہ کریں بلکہ گیلا کپڑا استعمال کریں۔

* گھر سے جاتے ہوئے چشمہ استعمال کریں اور سفر کے دوران اور بعد میں آنکھیں دھوئیں۔

*بدبودار اور تعمیراتی مقامات پر مٹی دھول نہ اڑنے دیں۔

* گاڑیوں کا استعمال کم سے کم اور ضرورت سے کریں۔

*اپنے اردگرد کی فضا کو دھواں اور تمباکو نوشی سے بچائیں۔

* گھر سے باہر نکلتے ہو یمنہ کو ماسک سے یا رومال سے ڈھانپ کر رکھیں۔

*اپنی گاڑی کا معائنہ کرائیں تا کہ فضا میں آلودگی کا سبب نہ بنے۔

*بچوں اور بوڑھوں کا خاص خیال رکھیں۔

*اگر علامات شدید ہوں تو معالج سے رجوع کریں۔

سموگ عام طور پر کھانسی، سانس کی شکایات، ہوائی نالیوں میں سوزش، خشکی، ورم وغیرہ ہوسکتا ہے ایسی صورت میں نزلہ زکام کھانسی اور ہوائی نالیوں کے لئے صدیوں سے مستعمل جوشاندہ کا استعمال سموگ کے منفی اثرات سے محفوظ رکھتا ہے۔

* قوت مدافعت جس کی کمی امراض کا سبب بنتی ہے کے لئے معالج کے مشورے سے مقوی اشیا استعمال کریں۔



ISSN # : 3080-9746

ممتاز دانشور، قلمکار، کالم نگار، مصنف، صاحب فکر ونظر، سابق وزیر مملکت، بانی جاگو تحریک قیوم نظامی کہ شہرۂ آفاق سیرت رسول صلی اللہ علیہ والہ وسلم پر شہرۂ آفاق تالیف معاملات رسول صلی اللہ علیہ والہ وسلم



از حکیم راحت نسیم سوہدروی

سیرت نبوی ایک عظیم موضوع ہے۔ وسعت کے اعتبار سے بحر بیکراں اور مضامین کے تنوع کے لحاظ سیا یک جہان علم!

رسالت ماب صلی اللہ علیہ والہ وسلم کی ذات اقدس ازل سے ابد تک منارہ رشد وہدایت ہے یہی وجہ پے کہ ہر عہد میں ہدایت یافتہ انسانوں نے اپ کی محبت وعظمت کے ترانے گائے ہیں۔ جب رب کائنات اور اس کے مقربین ملائکہ اس ذات پاک پر درود وسلام بھیج کر حق ثنا خوانی ادا کریں تو پھر ہم کون ہیں جو اپ کی سیرت پاک کا حق ادا کر سکیں۔

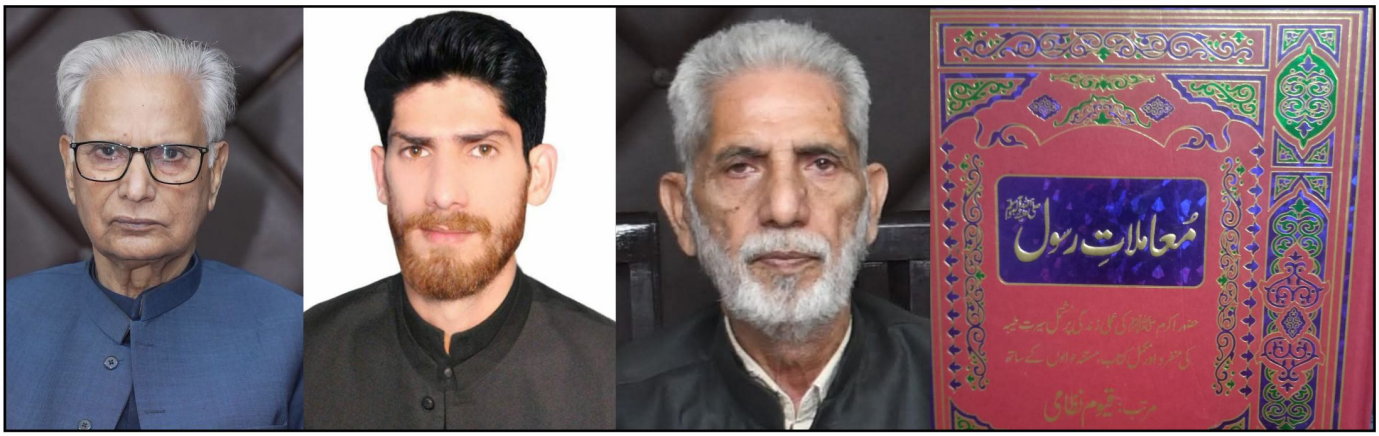
بلغ العلی بکمالہ

کشف الدوجا بجمالہ

حسنت جمیع خصالہ صلوا علیہ والہ

حضرت عائشہ رضی اللہ عنھا سے جب اپ کی سیرت بارے سوال کیا گیا تو اپ نے فرمایا کیا تم قران نہیں پڑھتے ؟ کان خلق القران اپ کہ سیرت قران ہے۔

قران کی طرح اپ کی حیات مبارکہ کھلی کتاب ہے اپ کی بعثت کا کمال یہ ہے کہ ہر طرف روشنی پھیل گ ءاور باطل کے گھٹا ٹوپ اندھیرے چھٹ گئے۔ رنگ وخون اور ملک و وطن کے بت پاش پاش ہو گئے۔ اپ کا اسوہ حسنہ ہی تکمیل شرف ادم کا معیار ٹھہرا اور یہی انسانیت کے لئے فلاح کا ضامن ہے۔ یہی وجہ ہے کہ اپ تاریخ عالم کے وہ انسان عظیم ہیں جن کی صورت وسیرت اور اس کہ جزیات ان کے چاھنے والوں نے معتبر حوالوں سے محفوظ کر لی پے جو کہ تاریخ کا روشن باب اور رحمۃ العالمین ہیں۔ انہوں نے جس طرح بنی نوع انسان کو جہالت اور گمراہی سے نکال کر نور ہدایت سے سرفراز کیا اور لوگوں کو اللہ کے پسندیدہ طریقوں کے مطابق زندگی گذارنے کا ڈھنگ سکھایا۔ رسول کائنات صلی اللہ علیہ والہ وسلم اور رحمۃ العالمین نے اپنے حسن اخلاق، دیانت وامانت اور اخلاص کا نمونہ بن کر صراط مستقیم کا راستہ بتایا۔ سیرت نبی ایک ایسا موضوع ہے جس پر پندرہ سو سال سے لکھا جا رہا ہے جب تک دنیا قائم ہے لکھا جاتا رہے گا لیکن یہ ایسا موضوع ہے جس قدر لکھا جائے کم ہے زیر نظر کتاب معاملات رسول صل اللہ علیہ والہ وسلم جناب قیوم نظامی کی تالیف ہے جناب قیوم نظامی ایک بلند پایہ قلم کار، کالم نگار، مصنف، قومی وملی کارکن، ک ءکتابوں کے مصنف اور جاگو تحریک کے بانی ہیں ایک زمانہ میں سیاست میں فعال تھے لاہور سے ممبر اسمبلی منتخب ہوئے اور بھٹو کابینہ میں وزیر مملکت بھی رہے۔ بے انتہا وضع دار شخصیت کے مالک ہیں اور اگلے وقتوں کی وضع داری کا نمونہ ہیں دانا وبینا، سچے مسلمان اور رسالت ماب کے فداء ہیں اپ خوش قسمت ہیں کہ یہ سعادت میسراء کہ بارگاہ رسالت میں ہدیہ معاملات رسول پیش کریں کتاب کے ماخذ ومصادر مستند ہیں مزہد اس کتاب کی خوبی یہ پے کہ حیات طیبہ ک ءسوانحی واقعات کے ساتھ معاملات رسول کو خوب صورت پیرائے میں پیش کیا گیا ہے کتاب کا انداز سادہ عام فہم اور رواں دواں ہے یہ کتاب بارہ سال قبل شائع ہوء تھی جواب ترمیم اور آضافوں کے ساتھ علم وعرفان پبلشرز اردو بازار لاہور فون نمبر 0300 9450911 نے خوبصورت ٹائٹل اور طباعت کے اعلی معیار سے شائع کی ہے 342 صفحات بڑی تقطیع پر مشتمل ہیاس کتاب کا مطالعہ ہر مسلمان کے لئے مفید وعمل باعث نجات ہے۔ جناب قیوم نظامی اس کے لئے مبارکباد کے سزوار ہیں کہ ان نام بھی سیرت نگاروں کی صف میں شامل ہو گیا ہے۔



ISSN # : 3080-9746

اہم ہونے کا وہم اور خوشی کی تلاش



تحریر: رخسانہ سحر

اِنسان کی زندگی کا ایک بڑا المیہ یہ ہے کہ وہ اپنی اہمیت کا تعین اکثر دوسروں کے رویّوں سے کرنے لگتا ہے۔ کوئی اسے کتنی توجہ دیتا ہے، کون اس کی بات کو کتنی اہمیت دیتا ہے، کس نے اس کے پیغام کا جواب فوراً دیا اور کس نے نظرانداز کر دیا، کون اس کی موجودگی میں خوش ہوتا ہے اور کون اس کی غیر موجودگی میں بھی مطمئن دکھائی دیتا ہے۔ ہم اپنی ذات کی قدر و قیمت کا ترازو دوسروں کے ہاتھ میں تھما دیتے ہیں اور پھر حیران ہوتے ہیں کہ ہمارا سکون دوسروں کے مزاج کا محتاج کیوں ہو گیا ہے۔

اہم ہونے کا وہم بھی انسان کو بہت نقصان پہنچاتا ہے۔ یہ وہم انسان کو اپنی ذات کے بارے میں ایک ایسا تصور دے دیتا ہے جس میں ہر شخص سے توقع کی جاتی ہے کہ وہ اسے خاص سمجھے، اس کی موجودگی کو محسوس کرے، اس کی بات کو ترجیح دے اور اس کے جذبات کی اہمیت کو تسلیم کرے۔ جب ایسا نہیں ہوتا تو دل میں شکوے جنم لیتے ہیں، رویّوں میں تلخی اتر آتی ہے اور تعلقات میں غیر ضروری فاصلے پیدا ہونے لگتے ہیں۔

ہم بھول جاتے ہیں کہ ہر انسان کی اپنی دنیا ہے، اپنی مصروفیات ہیں، اپنی ترجیحات ہیں اور اپنی جنگیں ہیں۔ ضروری نہیں کہ کوئی شخص ہمیں کم اہمیت دے رہا ہو؛ ممکن ہے وہ اپنی زندگی کے مسائل میں الجھا ہوا ہو۔ ہر خاموشی بیرخی نہیں ہوتی، ہر تاخیر بیقدری نہیں ہوتی اور ہر اختلاف ہماری شخصیت کا انکار نہیں ہوتا۔ مگر جب انسان اپنی اہمیت کے بارے میں غیر معمولی حساس ہو جائے تو وہ معمولی باتوں میں بھی اپنی توہین تلاش کرنے لگتا ہے۔

ہم میں سے بہت سے لوگ دوسروں کی توجہ حاصل کرنے کے لیے اپنی فطرت تک بدل لیتے ہیں۔ اپنی پسند کو دوسروں کی پسند کے تابع کر دیتے ہیں، اپنے خیالات کو چھپانے لگتے ہیں، اپنی خواہشات کو دبا دیتے ہیں اور اپنے فیصلوں پر بھی دوسروں کی منظوری کی مہر چاہتے ہیں۔ انہیں خوف ہوتا ہے کہ اگر وہ لوگوں کی توقعات پر پورا نہ اترے تو شاید ان کی محبت، عزت اور قبولیت ختم ہو جائے گی۔



یہی خوف انسان کو اندر سے تھکا دیتا ہے۔

زندگی کا سب سے مشکل امتحان دوسروں کی توقعات پر پورا اترنا نہیں بلکہ اپنی ذات کے ساتھ مخلص رہنا ہے۔ دنیا کے ہر شخص کا معیار الگ ہے۔ کسی کو آپ کی سادگی پسند آئے گی، کسی کو آپ کی خودداری ناگوار گزرے گی۔ کوئی آپ کی خاموشی کو وقار سمجھے گا، کوئی اسی خاموشی کو غرور کا نام دے گا۔ کوئی آپ کے انکار کو اصول پسندی سمجھے گا، کوئی اسے اپنی توہین تصور کرے گا۔ اب اگر آپ ہر شخص کی رائے کے مطابق خود کو ڈھالنے لگیں تو ایک وقت آئے گا کہ آپ کے پاس اپنی اصل شخصیت باقی ہی نہیں رہے گی۔ لوگوں کے معیار پر پورا اترنے کی کوشش میں انسان اکثر اپنی ذات کے معیار سے گر جاتا ہے۔

یہ بات سمجھنے کی ضرورت ہے کہ خود کو اہمیت دینا اور خود کو دوسروں سے زیادہ اہم سمجھنا دو مختلف رویّے ہیں۔ خود کو اہمیت دینے کا مطلب اپنی عزتِ نفس کی حفاظت کرنا، اپنی حدود کو پہچاننا، اپنی خوشی کی ذمہ داری قبول کرنا اور اپنی خامیوں کے باوجود خود کو قابلِ احترام سمجھنا ہے۔ اس کے برعکس خود کو دوسروں سے زیادہ اہم سمجھنے والا شخص ہر تعلق میں اپنی برتری، ہر گفتگو میں اپنی ترجیح اور ہر صورتِ حال میں اپنی مرضی چاہتا ہے۔ خودداری انسان کو متوازن بناتی ہے، جبکہ خود پسندی اسے دوسروں سے دور کر سکتی ہے۔ ہماری زندگی کا ایک بڑا حصہ اس فکر میں گزر جاتا ہے کہ لوگ ہمارے بارے میں کیا سوچتے ہیں۔ ہم اپنے لباس، اپنے الفاظ، اپنے فیصلوں، اپنی کامیابیوں حتیٰ کہ اپنی خوشیوں کو بھی دوسروں کی پسند کے مطابق ترتیب دینے لگتے ہیں۔ کسی محفل میں ہماری بات کو توجہ نہ ملے تو ہم بےچین ہو جاتے ہیں۔ کوئی ہماری تعریف نہ کرے تو اپنی خوبیوں پر شک کرنے لگتے ہیں۔ کوئی ہماری کامیابی کو تسلیم نہ کرے تو اپنی محنت کو بےمعنی سمجھنے لگتے ہیں۔ حالانکہ ہماری قدر کا فیصلہ ہر روز کسی دوسرے کی زبان سے صادر ہونا ضروری نہیں۔

آپ نے اچھا کام کیا ہے تو اس کی اہمیت کسی کی تعریف کی محتاج نہیں۔ آپ نے کسی کے ساتھ خلوص برتا ہے تو اس خلوص کی سچائی کسی کے اعتراف سے مشروط نہیں۔ آپ نے اپنی ذمہ داری ایمانداری سے نبھائی ہے تو کسی کی بےتوجہی آپ کی محنت کو بےقدر نہیں کر دیتی۔

اپنی زندگی کو دوسروں کی توثیق کا منتظر بنا دینا گویا اپنی خوشی کی چابی کسی ایسے شخص کے حوالے کر دینا ہے جسے شاید یہ بھی

ISSN # : 3080-9746

تعلقات میں توقعات کا ہونا فطری ہے۔ ہم چاہتے ہیں کہ ہمارے اپنے ہمیں سمجھیں، ہماری بات سنیں، ہمارے دکھ میں شریک ہوں اور ہماری موجودگی کی قدر کریں۔ یہ خواہش غلط نہیں، لیکن جب یہی خواہش ہماری ذہنی کیفیت کو مکمل طور پر قابو میں کر لے تو مسئلہ پیدا ہوتا ہے۔ محبت میں توجہ مانگنا اور اپنی عزتِ نفس کو مسلسل دوسروں کے رویّوں کے حوالے کیے رکھنا ایک جیسی باتیں نہیں ہیں۔ صحت مند تعلق وہ ہوتا ہے جس میں انسان اپنی ضرورت بیان کر سکے، اپنے دکھ کا اظہار کر سکے اور بیقدری محسوس ہونے پر گفتگو بھی کر سکے۔ مگر وہ اپنی پوری شخصیت کو کسی ایک شخص کی توجہ، کسی ایک رشتے کی منظوری یا کسی ایک محفل کی پذیرائی تک محدود نہیں کر دیتا۔

زندگی میں بعض اوقات یہ بھی قبول کرنا پڑتا ہے کہ ہم ہر شخص کے پسندیدہ نہیں ہو سکتے۔ ہر تعلق ہماری توقع کے مطابق نہیں چل سکتا اور ہر شخص ہماری خوبیوں کو پہچاننے کی صلاحیت نہیں رکھتا۔ اس حقیقت کو تسلیم کرنا شکست نہیں، ذہنی پختگی ہے۔ یہ بھی یاد رکھنا چاہیے کہ اپنی اہمیت دوسروں کی نظر اور دل میں تلاش کرنے کے بجائے خود اپنی ذات کو اہمیت دینا خودغرضی نہیں۔ اپنی ضروریات کا خیال رکھنا، اپنی خوشیوں کے اور اپنی زندگی کے فیصلوں میں اپنے شعور پر اعتماد کرنا ایک متوازن زندگی کی بنیاد ہے۔

ہم دوسروں کو خوش رکھنے کی کوشش ضرور کریں، مگر اس کوشش میں اپنی خوشی کو مسلسل قربان نہ کرتے رہیں۔ رشتے نبھائیں، مگر اپنی شناخت کھو کر نہیں۔ دوسروں کی رائے سنیں، مگر اپنی عقل وفہم کو معطل کر کے نہیں۔ محبت کریں، مگر اس امید پر نہیں کہ بدلے میں ہر لمحہ اپنی اہمیت کا ثبوت ملتا رہے گا۔ زندگی اس وقت آسان ہونے لگتی ہے جب ہم یہ سمجھ لیتے ہیں کہ ہر جگہ اپنی موجودگی کا احساس دلانا ضروری نہیں، ہر بحث میں اپنی بات منوانا ضروری نہیں، ہر شخص کو اپنی صفائی دینا ضروری نہیں اور ہر تعلق میں اپنی قدر ثابت کرنا بھی ضروری نہیں۔

بعض اوقات خاموشی سے آگے بڑھ جانا، غیر ضروری توقعات چھوڑ دینا اور اپنی توانائی ان کاموں پر صرف کرنا جو ہمیں بہتر انسان بناتے ہیں، سب سے دانش مندانہ فیصلہ ہوتا ہے۔ خوش رہنے کے لیے دنیا کا آپ کو غیر معمولی سمجھنا ضروری نہیں۔ ضروری یہ ہے کہ آپ اپنی عام سی زندگی میں بھی خوشی کے اسباب تلاش کر سکیں، اپنی چھوٹی چھوٹی کامیابیوں کی قدر کریں، اپنے مخلص رشتوں کو پہچانیں اور اپنی دیں۔ آخرکار، زندگی دوسروں کو اپنی اہمیت باور کرانے کی مسلسل کوشش کا نام نہیں؛ یہ اپنی ذات کو سمجھنے، اپنے حصے کی ذمہ داریاں نبھانے اور اپنے اندر سکون پیدا کرنے کا سفر ہے۔ اپنی اہمیت ثابت کرنے کی دوڑ سے نکل آیئے۔ ہر شخص کی نظر میں خاص بننا ممکن نہیں، مگر اپنی نظر میں قابلِ احترام بننا آپ کے اختیار میں ہے۔

جب آپ لوگوں کی پسند کے مطابق جینے کے بجائے اپنے اصولوں، اپنے ضمیر اور اپنی حقیقی خوشی کے مطابق جینا سیکھ لیتے ہیں تو بہت سے غیر ضروری شکوے خود بخود ختم ہونے لگتے ہیں۔ پھر کسی کی بیتوجہی آپ کے دن کا سکون نہیں چھینتی، کسی کی تنقید آپ کی پوری شخصیت کا فیصلہ نہیں کرتی اور کسی کی عدم موجودگی آپ کو اپنی ذات سے محروم نہیں کرتی۔ یاد رکھیے، آپ کی زندگی کا مقصد ہر شخص کے لیے اہم بننا نہیں، بلکہ ایک ایسی زندگی گزارنا ہے جس میں آپ اپنے آپ سے نظریں ملا سکیں۔

لوگوں کے دل میں جگہ بنانے کی کوشش کیجیے، مگر اپنی ذات سے بیدخل ہو کر نہیں۔ دوسروں کی محبت کو خوشی سمجھیے، اپنی زندگی کی شرط نہیں۔ کیونکہ جس دن انسان اپنی قدر پہچان لیتا ہے، اسی دن وہ دوسروں کی رائے کا قیدی رہنا چھوڑ دیتا ہے۔



سیاسی دنگل



بے نقاب
اورنگ زیب اعوان
laghari768@gmail.com

ملک پاکستان میں 80 سال سے سیاسی دنگل کی صورتحال ہے. بیچاری عوام سمجھنے سے قاصر ہے. کہ اس سیاسی اکھاڑے کا اصل پہلوان کون ہے. عوام کو ذہنی طور پر الجھانے رکھنے کے لیے متعدد سیاسی ولسانی جماعتیں بنا دی گئی ہیں. سب اپنی اپنی بولی بولتی ہیں. عوام ان سیاسی جماعتوں میں تقسیم ہوکر رہ گ ء ہیں. اس لیے عوام کی طرف سے کوئی جامع اور جاندار آواز ابھر کر سامنے نہیں آتی. اسی میں جمہوریت کی نام نہاد چیمپئن قوتوں کی کامیابی ہے. وہ اپنے بہتر نہیں. یہی غلط فہمی انہیں آج تک ایک قوم نہیں بنے دیتی. سب کے سب چاپلوسی، خوشامد پرستی کا اس قدر شکار ہو چکے ہیں. کہ یہ اس فن و ہنر میں ایک دوسرے کو مات دینے کے لیے ہمہ وقت تیار رہتے ہیں. سیاسی اکھاڑے کے اصل مالک ان کی اسی کمزوری کا فائدہ اٹھا کر ان کو ایک دوسرے کے خلاف استعمال کرتے ہیں. یہ سیاسی دنگل ہمارے ملک کی جڑوں کو کھوکھلا کرتا جا رہا ہے. سیاسی اکھاڑے کے حقیقی مالکان سے ہاتھ جوڑ کر التجا ہے. کہ اب اس من گھڑت سیاسی دنگل کو روک دیں. اور اپنے ہاتھ میں سب کچھ لے لیں. بیچاری عوام اس سیاسی دنگل سے اکتا چکی ہے. اب تو اس کی حالت زار دیکھی نہیں جاتی. وہ دو وقت کی روٹی کو ترس رہی ہے. سیاسی جماعتوں کی بہتات نے عوام کو چھوٹے چھوٹے گروہوں میں تقسیم کر کے رکھ دیا ہے. سب اپنی اپنی بولی بولتے ہیں. مشترکہ مفاد کی کسی کو فکر نہیں. ان کے لیے اپنی اپنی سیاسی جماعت کا سربراہ سب سے بہتر ہے. اس کے منہ سے نکلے ہوئے الفاظ ان کے لیے حرف آخر ہیں. یہ اس حقیقت کو جانے بنا کہ ان کی پسندیدہ سیاسی جماعت کا سربراہ بھی سونپ دی. اور مرکز میں مخلوط حکومت قائم کر دی. جس سے سیاسی جماعتیں اور عوام ذہنی طور پر الجھ کر رہ گئی ہیں. پنجاب میں پاکستان مسلم لیگ ن، سندھ میں پاکستان پیپلز پارٹی، خیبر پختون خواہ میں پاکستان تحریک انصاف، بلوچستان میں ملی جلی حکومت قائم کر دی گئی. اسی طرح سے مرکز میں کیچڑی پکا دی گ ء. مطلب سیاسی نظام اتنا کمزور استوار کیا گیا ہے. جو خود کو بچانے کے چکر میں ہی لگا رہے. اس کمزور سیاسی نظام کی بدولت ملک کی معاشی حالت اس قدر ابتر ہوگئی ہے. کہ لوگ دو وقت کی روٹی کو بھی ترس رہے ہیں. روزگار نہ ہونے کے برابر ہے. سیاسی اکھاڑے کے حقیقی مالکان کا اس سے بھی دل نہیں بھرا. تو انہوں نے عوام کو ذہنی طور پر مزید تقسیم کرنے کے لیے نئے صوبوں کی تشکیل کا شوشہ چھوڑ دیا ہے. وہ ہر صورت عوام کو تقسیم کیے رکھنا چاہتے ہیں. کیونکہ انہیں بخوبی اندازہ ہے. کہ جس دن عوام یکجا ہوگئی. ان کے اقتدار کا سورج غروب ہو جائے گا. وہ اپنے اقتدار کو بچانے رکھنے کے لیے کسی بھی حد تک جانے کو تیار بیٹھے ہیں. عوام اس قدر معصوم ہے. کہ وہ سیاسی رہنماؤں کے پیچھے لگ کر اپنا نقصان خود



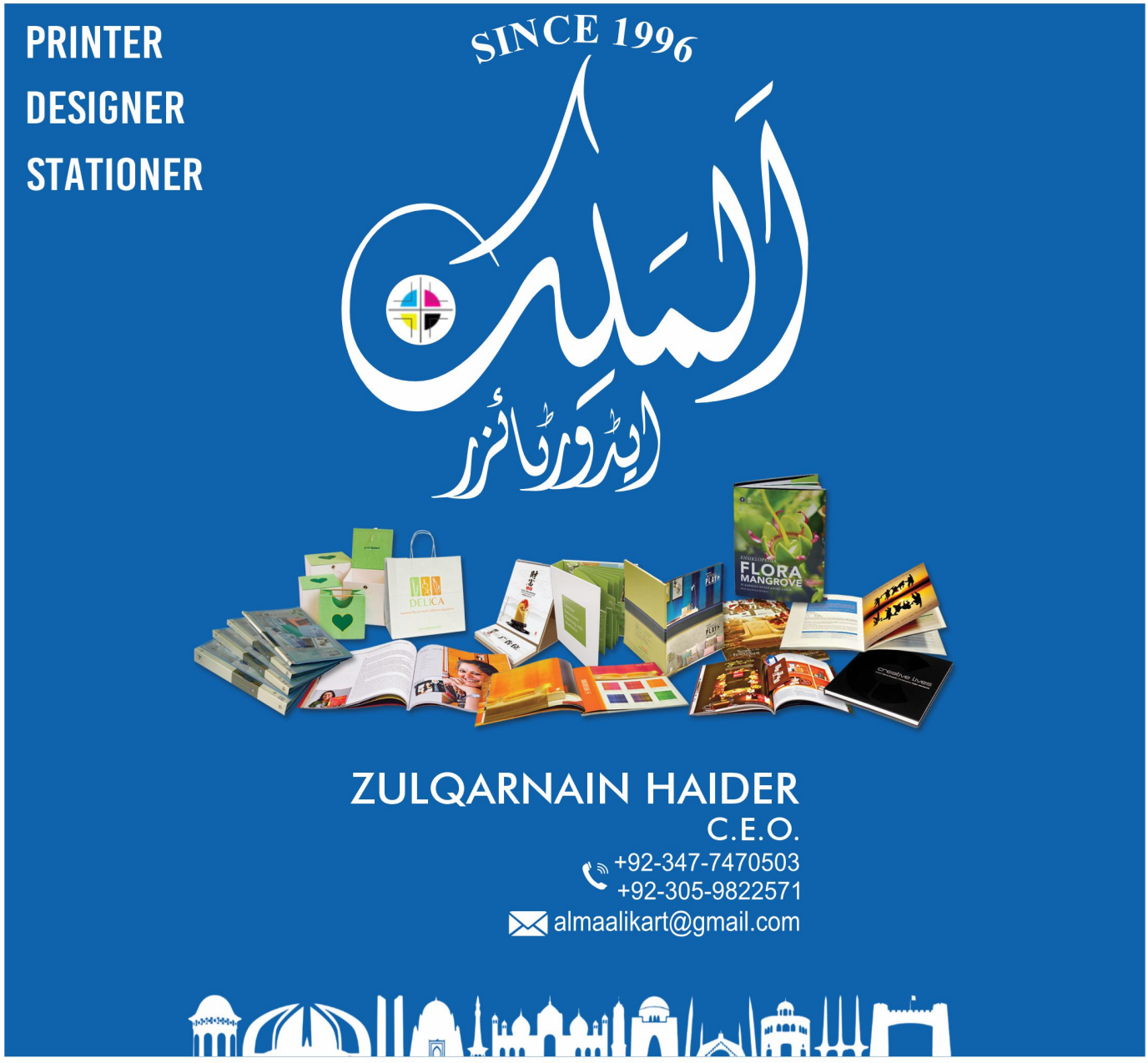
حصہ کا کھیل اس خوبصورتی سے کھیلتے ہیں. کہ تماشائیوں کو سمجھ نہیں آتی. کہ ہو کیا رہا ہے. وہ سیاسی جماعتوں اور ان کے ورکرز کو آپس میں دست گریباں کیے رکھتے ہیں. ان میں سے جب کسی بھی سیاسی جماعت کو ملک کی باگ دوڑ کا موقع ملتا ہے. باقی سب اس کے دشمن بن جاتے ہیں. اور شور مچانا شروع کر دیتے ہیں. کہ اس کو غلط طریقہ سے اقتدار کے ایوان میں پہنچایا گیا ہے. کیونکہ یہ ہم سے زیادہ طاقتور اور سیاسی اکھاڑے کے مالکان کا ذاتی ملازم ہے. فرق صرف اتنا ہے. کہ وقت کے ساتھ ساتھ سیاسی اکھاڑے کا پہلوان بدلتا رہتا ہے. کبھی کوئی ان کا منظور نظر ہوتا ہے. تو کبھی کوئی. طاقت کا یہی اصول ہے. کہ کوئی ہمیشہ کے لیے کسی منصب پر براجمان نہیں رہتا. حالیہ الیکشن میں سیاسی اکھاڑے کے مالکان نے عجیب اور شاندار کھیل کھیلا. جس کی کسی کو سمجھ نہیں آئی. انہوں نے چاروں صوبوں میں مختلف سیاسی جماعتوں کو حکومت کرتی ہے. آج جوان کے خیر خواہ بنے ہوئے ہیں. جب ان کے پاس اقتدار کی باگ دوڑ تھی. یہی فرعون بنے ہوئے تھے. آج عوام جس کی رہائی کے لیے جدوجہد کر رہی ہے. جب وہ اقتدار میں تھا. تو باقی تمام سیاسی جماعتوں اور ان کے رہنماؤں کی تذلیل کرنا اس کا پسندیدہ شیوہ تھا. کیونکہ وہ سیاسی اکھاڑے کے مالکان کا منظور نظر رہنا چاہتا تھا. اسے معلوم نہیں تھا. کہ اس اکھاڑے نے بڑے بڑے نامی گرامی سیاسی

ISSN # : 3080-9746

کھلاڑیوں کو بچھاڑ کر رکھ دیا ہے. یہ کیا چیز ہے. وہ سر پر چادر اوڑھ کر جس کی نقل اتارتا تھا. آج وہی شخص اس کی جماعت کو لیکر چل رہا ہے. جن مولانا کو غلط القابات سے پکارا جاتا تھا. آج انہیں سے مدد کی اپیل کی جارہی ہے۔

یہ مکافات عمل ہے. جس کی سمجھ دیر سے آتی ہے. اس سیاسی اکھاڑے کے چمپئن بدلتے رہتے ہیں. کوئی ہمیشہ کے لیے اس اکھاڑے میں کھڑا نہیں رہا. آج جب ان پر برا وقت چل رہا ہے. تو پاکستان کی عوام کو مدد کے لیے پکار رہے ہیں. مگر انہوں نے ماضی کی غلطیوں سے کوئی سبق نہیں سیکھا. یہ ذہنی طور پر آج بھی سیاسی ناپختگی کا مظاہرہ کر رہے ہیں. جس صوبہ میں انہیں حکومت سونپی گئی ہے. یہ اسی میں انتشار پیدا کر رہے ہیں. ان کی عوام بھوک سے مر رہی ہے. اور یہ فرد واحد کی آزادی کے لیے کہرام مچا رہے ہیں. کیا ہی اچھا ہوتا. کہ اگر ان کا لانگ مارچ اور دھرنا مہنگائی، بے روزگاری ، پیٹرول کی بڑھتی ہوئی قیمتوں کے خلاف ہوتا. عوام کو بھی سمجھ آتی. کہ یہ ہمارے لیے نکلے ہیں. مگر یہ تو فرد واحد کی خوشنودی حاصل کرنے کے لیے سیاسی ہنگامہ برپا کر رہے ہیں. وفاقی حکومت نے خیبر پختون خواہ میں گورنر راج لگا دیا ہے. کیونکہ ان کی ہنگامہ آرائی کی وجہ سے ملک کو روزانہ اربوں روپیہ کا نقصان ہو رہا تھا. ان کی ناقص سیاسی حکمت عملی اور سیاسی لڑکپن کی وجہ ان کا اپنا نقصان تو ہوا ہی ہے. انہوں نے اپنے صوبے کی عوام کی زندگیوں کو بھی اجیرن بنا کر رکھ دیا ہے. آنے والے دن ملکی سیاست کے لیے بڑے اہم ثابت ہوں گے. سیاسی اکھاڑے کے مالکان سے التجا ہے. کہ سیاسی جماعتوں اور نئے صوبوں کی بجائے۔

آپ ہی ملک کی بھاگ دوڑ سنبھال لیں. کیونکہ پیچھے رہ کر بھی آپ ہی سب کچھ کرتے ہیں. ان کو تو محض عوام کو دیکھانے کے لیے اقتدار میں لایا جاتا ہے. طاقت کا اصل سرچشمہ تو آپ ہی ہیں. تو کیوں نہ براہ راست ملک کی بھاگ دوڑ آپ ہی سنبھال لیں. اس طرح سے کم از کم کھانے والے تو کم ہوں گے. عوام کو تو کچھ ملے گا. اور اس طرح سے ملک میں سیاسی استحکام بھی پیدا ہوگا. ورنہ چوں چوں کا مربہ والی صورتحال چلتی رہی گی. پاکستان کی عوام بھی بڑی معصوم ہے. یہ ہر کسی کے بہکاوے میں اجاتی ہے. اب وقت آ گیا ہے. کہ اس سیاسی دنگل سے جان چھڑائیں. اور حقیقی سیاسی قیادت کو ملک کی باگ دوڑ سنبھال دیں.



ISSN # : 3080-9746



جماعت اہلِ سُنت پاکستان:

عشقِ رسول ﷺ، تحفظِ عقائد اور استحکامِ وطن کا عزم



تحریر: صاحبزادہ ذیشان کلیم معصومی

قوموں کی زندگی میں کچھ رشتے خون سے قائم ہوتے ہیں، کچھ مفادات سے جنم لیتے ہیں، مگر وہ نسبت جو عشقِ رسول ﷺ، عقیدۂ حق، روحانی وابستگی اور اکابرین کے فیضان سے استوار ہو، نسلوں کے دلوں کو ایک مرکز پر جمع کر دیتی ہے۔ یہی نسبت اہل سنت کی پہچان، یہی عشق ان کی روح کی حرارت اور یہی عقیدہ ان کی اجتماعی زندگی کی بنیاد ہے۔ ہمارے لیے سرمایۂ افتخار وہ عقیدہ ہے جو بارگاہِ رسالت مآب ﷺ کی محبت سے منور ہے، وہ مسلک ہے جسے اکابر علمائے اہل سنت نے علم و تحقیق، تقویٰ و طہارت اور قربانیوں سے سنوارا، اور وہ روحانی ورثہ ہے جس نے دلوں میں عشقِ مصطفیٰ ﷺ کے چراغ روشن کیے۔ ہمیں اپنے عقائد پر رشک ہے، اپنے اکابرین کی تاریخ پر فخر ہے اور جماعت اہل سنت پاکستان سے وابستگی اپنے لیے سعادت سمجھتے ہیں۔ اس نسبت کا حق یہ ہے کہ محبت کو کردار، عقیدے کو علم، وابستگی کو نظم اور جذبے کو خدمتِ دین و ملت کی عملی قوت بنایا جائے۔

جماعت اہل سنت پاکستان کی فکری و تنظیمی جدوجہد اسی نسبت کی آئینہ دار ہے۔ اس جماعت کی شناخت عقائد اہل سنت کی پاسبانی، ناموسِ رسالت ﷺ سے والہانہ وابستگی، عظمتِ صحابہ واہل بیت رضی اللہ عنہم کا احترام، اصلاحِ معاشرہ، اتحادِ امت اور وطن عزیز پاکستان کے استحکام کے عزم سے وابستہ ہے۔ اس کے کارکنوں کے لیے تنظیمی وابستگی ایک ایسی ذمہ داری ہے جو علم، اخلاص، نظم وضبط، حسنِ اخلاق اور خدمتِ خلق کے تقاضوں سے عبارت ہے۔ آج جب معاشرہ فکری انتشار، فرقہ وارانہ کشیدگی، سوشل میڈیا کی بے احتیاطی اور باہمی بداعتمادی جیسے چیلنجوں سے دوچار ہے، اہل سنت کی قیادت اور کارکنوں پر لازم ہے کہ اپنے اکابر کے علمی وقار، روحانی بصیرت اور اخلاقی کردار کو عملی زندگی میں نمایاں کریں۔

برصغیر کی دینی وقومی تاریخ گواہ ہے کہ اہل سنت کے علمائے کرام اور مشائخِ عظام نے دین کی سربلندی، عقائد کے تحفظ اور آزادیِ وطن کی جدوجہد میں نمایاں کردار ادا کیا۔ مولانا فضل حق خیرآبادیؒ، مفتی عنایت احمد کاکورویؒ اور مفتی سید کفایت علی کافی مرادآبادیؒ جیسے اکابر نے برطانوی استعمار کے خلاف مزاحمت اور دینی حمیت کی ایسی مثالیں قائم کیں جن کی یاد تاریخ کے صفحات میں محفوظ ہے۔ ان کے بعد تحریکِ پاکستان کے دور میں پیر صاحب مانکی شریفؒ، پیر سید غلام محی الدین گیلانی المعروف بابو جی گولڑہ شریفؒ، مولانا سید محمد نعیم الدین مرادآبادیؒ، علامہ شاہ عبدالعلیم صدیقیؒ، علامہ سید ابوالحسنات قادریؒ، مولانا عبدالحامد بدایونیؒ، خواجہ قمرالدین سیالویؒ، پیر عبدالرحمن بھرچونڈی شریفؒ، غزالی زماں علامہ سید احمد سعید کاظمیؒ، مولانا شاہ احمد نورانی صدیقی، مولانا عبدالستار خان نیازیؒ اور مولانا شفیع اوکاڑوی سمیت متعدد علمائے اہل سنت اور مشائخ نے قیامِ پاکستان کی تحریک میں اپنی علمی، دینی، عوامی اور روحانی قوت کے ساتھ حصہ لیا۔

اپریل 1946ء میں بنارس میں منعقد ہونے والی آل انڈیا سنی کانفرنس، جس کی صدارت امیرِ ملت حضرت پیر سید جماعت علی شاہ محدث علی پوریؒ نے فرمائی، برصغیر کے سنی علمائے کرام اور مشائخ کی اجتماعی بیداری کا ایک اہم تاریخی سنگِ میل تھی۔ اس اجتماع میں تحریکِ پاکستان کی حمایت اور مسلمانوں کے جداگانہ قومی مستقبل کے تصور کو تقویت ملی۔ یہ تاریخ اس حقیقت کی یاد دہانی کراتی ہے کہ دینی قیادت نے اپنے عہد کے قومی مسائل سے لاتعلقی اختیار نہیں کی، بلکہ ایمان، شعور اور اجتماعی ذمہ داری کے ساتھ اپنا کردار ادا کیا۔ ضرورت اس امر کی ہے کہ نئی نسل کو قیامِ پاکستان میں علمائے اہل سنت اور مشائخِ عظام کی خدمات سے روشناس کرایا جائے اور ان کے مستند تاریخی کردار کو تعلیمی نصاب، تحقیقی کتب اور قومی مکالمے میں مناسب جگہ دی جائے، تاکہ نوجوان اپنی تاریخ سے واقف ہوں اور وطن کی تعمیر میں ذمہ دارانہ حصہ لے سکیں۔

اعلیٰ حضرت امام احمد رضا خان بریلویؒ، پیر سید مہر علی شاہ گولڑویؒ اور دیگر اکابر اہل سنت کی علمی و دینی خدمات نے عقائدِ اہل سنت کی توضیح، عشقِ رسول ﷺ کی ترویج اور دینی تشخص کے تحفظ میں گراں قدر سرمایہ فراہم کیا۔ اسی علمی و روحانی روایت سے وابستہ اہل سنت کے علما نے ختمِ نبوت ﷺ کے عقیدے کی پاسبانی اور ناموسِ رسالت ﷺ کے تحفظ کے لیے بھی اپنی آواز بلند کی۔ مولانا محمد عبدالستار خان نیازیؒ، خواجہ قمرالدین سیالویؒ، مولانا عبدالحامد بدایونیؒ، مولانا شاہ احمد نورانی صدیقیؒ، علامہ سید محمود احمد رضویؒ، مفتی محمد حسین نعیمیؒ اور صاحبزادہ پیر غلام محی الدین گولڑویؒ سمیت متعدد مذہبی رہنماؤں نے مختلف ادوار میں اس موضوع پر دینی و عوامی جدوجہد میں حصہ لیا۔ ان اکابر کی خدمات کا ذکر کرتے ہوئے تاریخی واقعات، سنین اور شخصیات کے کردار کو مستند حوالوں کے ساتھ بیان کرنا ہماری علمی ذمہ داری ہے۔

عقیدۂ ختمِ نبوت مسلمانوں کے بنیادی ایمانی عقائد میں شامل ہے اور رسول اکرم ﷺ کی ختمِ نبوت پر ایمان امت مسلمہ کی متفقہ دینی بنیاد ہے۔ جماعت اہل سنت پاکستان اس عقیدے کے تحفظ، ناموسِ رسالت ﷺ کے احترام اور متعلقہ آئینی وقانونی تحفظات کی پاسداری کو اپنی دینی وتنظیمی ترجیحات میں شمار کرتی ہے۔ پاکستان میں توہینِ رسالت سے

جماعت کا مؤقف یہ ہے کہ اس کے تحفظ کے لیے آئینی اور قانونی دائرے میں مؤثر آواز بلند کی جائے اور ایسے اقدامات کی مخالفت کی جائے جنہیں وہ ناموسِ رسالت ﷺ کے قانونی تحفظ کے لیے نقصان دہ سمجھتی ہے۔ اس حساس معاملے میں عدل، ذمہ داری، قانون کی پابندی اور مستند شہادت کی اہمیت بھی پیش نظر رہنی چاہیے، تاکہ دینی اقدار کے احترام کے ساتھ معاشرے میں انصاف اور امن کی فضا قائم رہے۔

وطن عزیز پاکستان کی سلامتی، خودمختاری اور استحکام قومی زندگی کی بنیادی ضرورت ہیں۔ جماعت اہل سنت پاکستان کی قیادت اور کارکنوں کے لیے بھی ملک کی حفاظت، قومی اداروں کے احترام، افواجِ پاکستان کے ساتھ قانونی و آئینی دائرے میں تعاون اور دہشت گردی و انتہاپسندی کے خاتمے کی جدوجہد اہم قومی ذمہ داریاں ہیں۔ پاکستان نے دہشت گردی کے خلاف طویل قربانیاں دی ہیں؛ اس لیے ہر ایسے عمل کی حوصلہ شکنی ضروری ہے جو شہریوں کی جان، قومی وحدت یا ریاستی امن کو نقصان پہنچائے۔ اختلافِ رائے کو دلیل اور اخلاق کے ساتھ بیان کرنا، مذہبی اختلاف کو تشدد سے محفوظ رکھنا، قانون کی پاسداری اور قومی مفاد کو مقدم رکھنا ایک ذمہ دار دینی و سماجی کارکن کی پہچان ہے۔

اہل سنت کی تعلیمات کا بنیادی پیغام ذکرِ الٰہی، عشقِ مصطفیٰ ﷺ، خدمتِ انسانیت، رواداری اور حسنِ معاشرت سے عبارت ہے۔ خانقاہوں، مساجد، مدارس اور دینی اجتماعات کا فیضان اسی وقت معاشرے میں وسیع تر اثر پیدا کرتا ہے جب وہاں سے نکلنے والا فرد اپنے گھر، محلے، بازار، تعلیمی ادارے اور سماجی حلقے میں امن و محبت کا سفیر بنے۔ فرقہ وارانہ نفرت، تکفیر کے غیر ذمہ دارانہ رویوں، جھوٹی خبروں اور اشتعال انگیز زبان سے بچنا، مخالف رائے رکھنے والوں کے ساتھ اخلاق سے پیش آنا اور اختلاف کے باوجود انسانی حرمت کا لحاظ رکھنا وقت کی اہم ضرورت ہے۔ جماعت اہل سنت پاکستان کے کارکن اس میدان میں اپنے کردار سے یہ پیغام عام کر سکتے ہیں کہ عقیدے پر استقامت اور معاشرتی امن ایک دوسرے کے معاون ہیں۔

عصرِ حاضر میں ابلاغ اور سوشل میڈیا کی قوت نے تنظیمی کام کی نوعیت بدل دی ہے۔ اب کارکن کی ذمہ داری جلسے میں شرکت، بینر اٹھانے یا نعرہ لگانے تک محدود نہیں؛ اسے درست معلومات کی ترسیل، مستند حوالوں کے استعمال، مؤثر تحریر، باوقار گفتگو اور ڈیجیٹل اخلاقیات سے بھی آراستہ ہونا چاہیے۔ غیر مصدقہ خبر آگے بڑھانے سے گریز، مخالفین کے خلاف توہین آمیز زبان سے اجتناب، تنظیمی اعلانات کی بروقت اشاعت، علما و مشائخ کے پیغامات کو درست انداز میں عوام تک پہنچانا اور نوجوانوں کے لیے مثبت دینی مواد تیار کرنا تنظیمی ابلاغ اطلاعاتی رابطہ کار، تربیت یافتہ سوشل میڈیا ٹیم اور واضح تصدیقی نظام جماعت کے پیغام کو زیادہ منظم، مؤثر اور قابلِ اعتماد بنا سکتے ہیں۔

اسی فکری و تنظیمی ضرورت کے پیش نظر * یکم نومبر 2026ء، بروز اتوار، صبح 10 بجے، انٹرنیشنل سنی سیکرٹریٹ، کالا شاہ کاکو، لاہور * میں جماعت اہل سنت پاکستان صوبہ پنجاب کے زیر اہتمام سنی ورکرز کنونشن منعقد ہو رہا ہے۔ یہ اجتماع پنجاب بھر سے مرکزی، صوبائی، ڈویژنل، ضلعی، تحصیلی اور شہری سطح کے عہدیداران، علما، مشائخ اور کارکنوں کو ایک جگہ جمع کرنے کا اہم موقع ہے۔ کنونشن میں عقیدۂ ختمِ نبوت ﷺ، عظمتِ صحابہ و اہل بیت رضی اللہ عنہم، ناموسِ رسالت ﷺ،



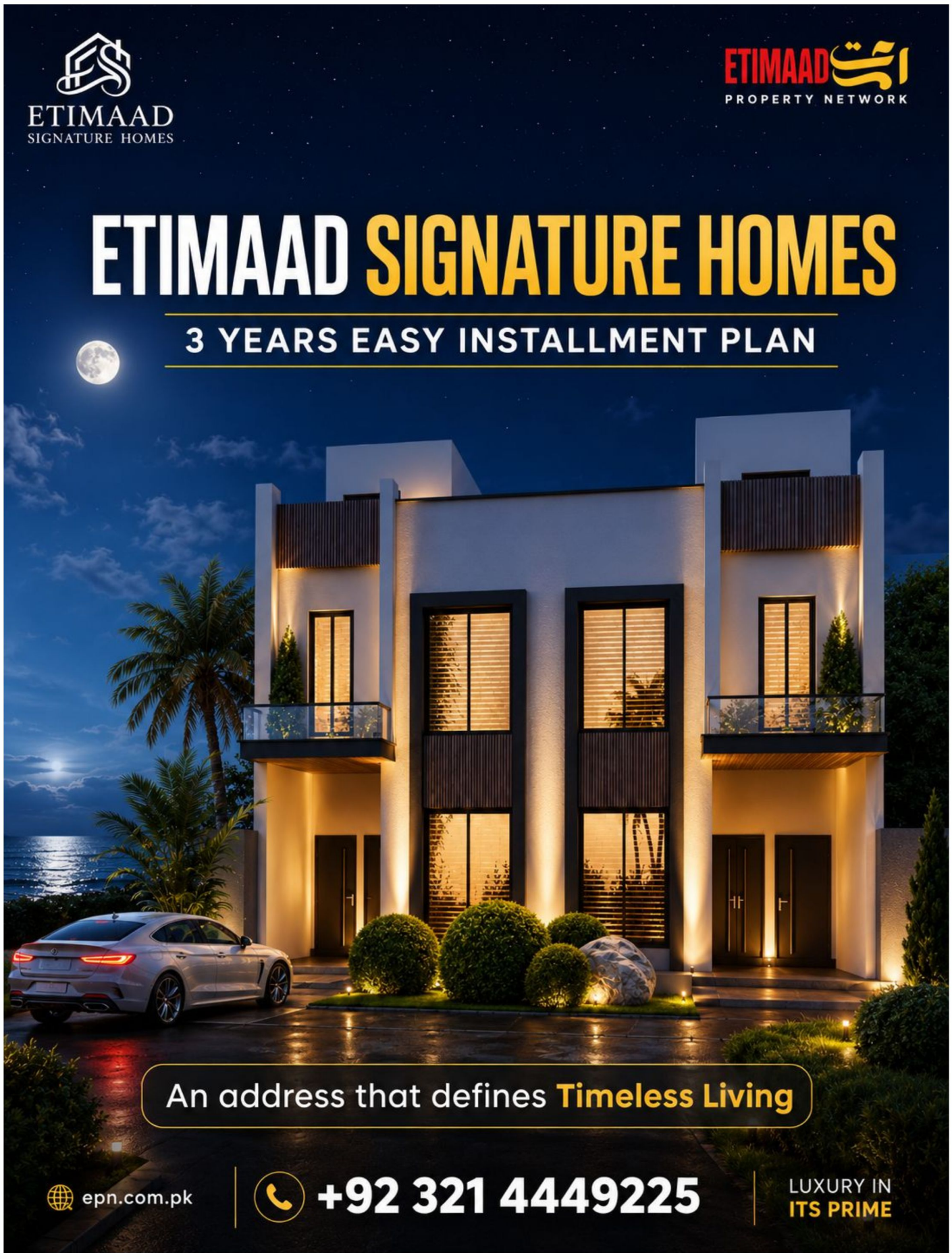
تحفظِ عقائدِ اہل سنت، اتحادِ امت، اتحادِ اہل سنت، اصلاحِ معاشرہ اور قومی استحکام جیسے موضوعات پر گفتگو ہوگی۔ اجتماع کے اختتام پر متفقہ اعلامیہ پیش کرنے کا مقصد بھی یہی ہے کہ مشترکہ دینی و تنظیمی ترجیحات کو واضح کیا جائے اور ان کے حصول کے لیے قابلِ عمل لائحہ عمل مرتب کیا جائے۔

اس اجتماع کی کامیابی کے لیے صوبائی امیر پیر سید خلیل الرحمٰن شاہ بخاری کی قیادت، صوبائی ناظم اعلیٰ مفکرِ اہل سنت، خطیبِ ایشیا و یورپ مولانا حافظ محمد فاروق خان سعیدی کی فکری رہنمائی اور کنونشن کے چیف آرگنائزر پیرزادہ معاذ المصطفیٰ قادری کی تنظیمی کاوشیں خصوصی اہمیت رکھتی ہیں۔ کنونشن کے ناظم علامہ قاری فیض بخش رضوی کی ذمہ داریاں بھی اس اجتماعی نظم کا اہم حصہ ہیں۔ محترم نعیم المصطفیٰ قادری اور ان کی پوری ٹیم سمیت تمام منتظمین اور رضا کاروں کی شبانہ روز محنت قابلِ قدر ہے، جن کی منصوبہ بندی، رابطہ کاری اور مسلسل جدوجہد ایسے وسیع اجتماع کو کامیاب بنانے میں بنیادی کردار ادا کرتی طریقہ یہ ہے کہ صوبے بھر کے قائدین اور کارکن بروقت شرکت کریں، نظم و ضبط کا مظاہرہ کریں اور کنونشن کے پیغام کو اپنی عملی زندگی میں نافذ کرنے کا عہد کریں۔

اس کنونشن کی کامیابی کا معیار شرکاء کی تعداد کے ساتھ ساتھ اس کے بعد سامنے آنے والی عملی پیش رفت بھی ہوگی۔ ضروری ہے کہ ہر سطح پر تنظیمی رابطوں کو فعال کیا جائے، کارکنوں کی فکری و ابلاغی تربیت کا مستقل نظام قائم ہو، مستند دینی مواد عام کیا جائے، نوجوانوں کو مثبت سرگرمیوں میں شریک کیا جائے اور عوامی مسائل کے حل کے لیے خدمتِ خلق کے منصوبے شروع کیے جائیں۔ اسی طرح جماعت کے مؤقف کو واضح، مہذب اور مدلل انداز میں پیش کرنے کے لیے ترجمانوں اور اطلاعاتی ذمہ داران کی تربیت، میڈیا سے مؤثر رابطہ اور سوشل میڈیا پر تصدیق شدہ پیغامات کی باقاعدہ اشاعت کو ترجیح دی جانی چاہیے۔ اجتماع میں ہونے والا اتفاق اسی وقت ثمر آور ہوگا جب اس کے فیصلے تنظیمی سطح پر ذمہ داریوں، مدتِ کار اور قابلِ پیمائش اہداف کے ساتھ آگے بڑھیں گے۔

جماعت اہل سنت پاکستان کے لیے یہ موقع اپنی تاریخی نسبت کو تازہ کرنے، موجودہ حالات کا حقیقت پسندانہ جائزہ لینے اور آئندہ کی جدوجہد کو منظم بنانے کا موقع ہے۔ اکابرین کی قربانیوں کا حقیقی احترام ان کے نام دہرانے کے ساتھ ساتھ ان کے علمی ذوق، دینی بصیرت، اخلاقی استقامت اور قومی ذمہ داری کو اپنانے میں ہے۔ عشقِ رسول ﷺ دلوں میں محبت پیدا کرے، عقیدہ انسان کے کردار کو سنوارے، علم فکر کو روشنی دے، تنظیم اجتماعی قوت پیدا کرے اور خدمتِ خلق عوام کے لیے آسانی کا ذریعہ بنے؛ یہی وہ راستہ ہے جو جماعتی وابستگی کو معاشرتی خیر میں تبدیل کرتا ہے۔

آیئے، یکم نومبر کے سنی ورکرز کنونشن میں شرکت کو ایک اجتماعی عہد بنائیں: ہم اپنے عقائد کی حفاظت علم و دلیل سے کریں گے، اپنے اکابر کی تاریخ کو تحقیق و دیانت کے ساتھ نئی نسل تک پہنچائیں گے، وطنِ عزیز کے امن و استحکام کے لیے اپنا مثبت کردار ادا کریں گے، دہشت گردی اور فرقہ وارانہ تشدد کے خلاف آواز بلند کریں گے، سوشل میڈیا کو نفرت کے بجائے اصلاح و آگہی کا ذریعہ بنائیں گے اور جماعتی نظم کو اخلاص، اتحاد اور خدمت کے ساتھ مضبوط کریں گے۔ عشقِ مصطفیٰ ﷺ ہماری پہچان، علم ہماری رہنمائی، کردار ہماری گواہی اور خدمت ہماری عملی دعوت بنے۔ جب قائدین بصیرت کے ساتھ رہنمائی کریں، کارکن اخلاص کے ساتھ میدانِ عمل میں اتریں اور سب کی منزل دین کی خدمت، ملت کی خیر خواہی اور وطن کی سربلندی ہو تو اجتماعی قوت بامقصد جدوجہد میں ڈھل جاتی ہے۔ یہی کنونشن کا پیغام، یہی ہماری ذمہ داری اور یہی روشن مستقبل کی جانب ایک پُرعزم قدم ہے۔



ISSN # : 3080-9746

کویت: کشمیریوں سے اظہارِ یکجہتی کیلئے سفارتخانہ پاکستان میں پروقار تقریب

صدر زرداری، وزیراعظم شہباز شریف اور نائب وزیراعظم اسحاق ڈار کے پیغامات سنائے گئے

رپورٹ: محمد عمر



کویت میں بھی 27 اکتوبر کو کشمیریوں سے اظہار یکجہتی کیلئے یوم سیاہ منایا گیا، کویت میں مقیم پاکستانی کمیونٹی کی معروف شخصیات نے سفارتخانہ پاکستان میں منعقد ہونے والی اس تقریب میں شرکت کی، کمپیٹرنگ کے فرائض کمیونٹی ویلفیئر اتاشی حمزہ توقیر نے انتہائی احسن طریقہ سے انجام دیئے، انہوں نے ابتدائی کلمات میں بتایا کہ 27 اکتوبر 1947 کو انڈین فورسز کشمیر میں غاصبانہ طریقہ سے داخل ہوئی تھی اس روز سے آج تک دنیا بھر کے کشمیری عوام 27 اکتوبر کو یوم سیاہ کے طور پر مناتے ہیں، انہوں نے کہا کہ کشمیریوں کے حق خود ارادی تک پاکستان کشمیریوں کی جدوجہد آزادی کی اخلاقی و سفارتی ہر لحاظ سے حمایت جاری رکھے گا۔ سفارتخانہ کے فرسٹ سیکرٹری عابداللہ نے صدر پاکستان آصف علی زرداری، وزیراعظم شہباز شریف اور نائب وزیراعظم اسحاق ڈار کے پیغامات پڑھ کر سنائے جس میں انہوں نے کشمیریوں پر 79 سال سے جاری انڈین فورسز کے مظالم کی مذمت کی اور اعلان کیا کہ کشمیریوں کے حق خود ارادیت کے حصول تک پاکستان ان کی اخلاقی وسفارتی حمایت جاری رکھے گا۔ اس موقعہ پہ پروجیکٹر اسکرین پر ایک دستاویزی فلم بھی دکھائی گئی جس میں کشمیری عوام پر انڈین فوج کے مظالم اور ان کی جدوجہد آزادی کو موضوع بنایا گیا تھا۔ آخر میں کشمیریوں کی آزادی اور کویت و پاکستان کی ترقی و سلامتی کیلئے دعائیں کی گئیں، شرکاء کیلئے ریفریشمنٹ کا بھی اہتمام کیا گیا تھا۔









ISSN # : 3080-9746

کویت: سفیر پاکستان کے ہاتھوں "ای پاسپورٹ" سسٹم کا افتتاح

پاکستانی کمیونٹی کا اظہارِ مسرت



رپورٹ: محمد عمر

کویت میں سفارتخانہ پاکستان میں ڈیجیٹل پاسپورٹ سسٹم کا باقاعدہ افتتاح کر دیا گیا، سفیر پاکستان ڈاکٹر ظفر اقبال نے ای پاسپورٹ سسٹم کا افتتاح کیا، اس موقعہ پر سفارتخانہ پاکستان کے فرسٹ سیکرٹری عابد اللہ، کمیونٹی ویلفیئر اتاشی حمزہ توقیر، انچارج پاسپورٹ سیکشن عثمان نواز کے علاوہ کمیونٹی کی سرکردہ کاروباری و سماجی شخصیت بھی موجود تھیں، پیر امجد حسین صدر انصاف ویلفیئر سوسائٹی کویت، میاں محمد ارشد صدر مسلم سنٹر ن کویت، ماجد علی چوہدری ڈائریکٹر پاکستان نیشنل انگلش اسکول کویت اور محمد زبیر شرفی صدر مسلم سنٹر ن لیبر ونگ نے ای پاسپورٹ سسٹم کے افتتاح پر سفیر پاکستان ڈاکٹر ظفر اقبال کو مبارکباد پیش کی، ان شخصیات نے اس موقعہ پر اظہار خیال کرتے ہوئے کہا کہ ای پاسپورٹ سسٹم کا اجرا ایک خوش آئند اقدام ہے جس کے نتیجہ میں بیرونی ممالک کا سفر آسان ہو جائے گا، سفیر پاکستان ڈاکٹر ظفر اقبال نے ایک سوال کے جواب میں کہا کہ جو لوگ پہلے ہی پاسپورٹ حاصل کر چکے ہیں وہ مقررہ مدت تک قابل استعمال رہیں گے تاہم وہ لوگ بھی چاہیں تو اپنے پاسپورٹ کی میعاد ختم ہونے سے پہلے ای پاسپورٹ حاصل کر سکتے ہیں۔

AL MAALIK ART GROUP
LAHORE - PAKISTAN
+92-311-149-1458
www.almaalikartgroup.com

BUSINESS CARD | FAVOR BOX | BROCHURS | TISSUE BOX
POSTER | CAPS | CERTIFICATES | BOOKS & COPIES
TEA MUG | STICKERS | ENVELOPES | PEN
WEDDING CARDS | FILE FOLDER | FLYERS | PRICE TAG
GOODIE BAGS | FLEX STANDEE | PVC CARDS | KEY CHAIN



ISSN # : 3080-9746

21ویں موسیاد ایکسپو استنبول 2026 میں پاکستان کی بھرپور نمائندگی

PIBF گلوبل ڈیلیگیشن نے IBF کانفرنس میں پاکستان کیلئے 2029 کی میزبانی کی تجویز پیش کی

میرا برانڈ پاکستان کو مسلم برانڈز کے عالمی پلیٹ فارم تک لے جانے کا وژن پیش



تحریر: شبانہ ایاز

ترکیہ کے خوبصورت اور تاریخی شہر استنبول میں 23 سے 26 ستمبر 2026 تک منعقد ہونے والی 21ویں MÜSIAD EXPO نے ایک بار پھر عالمی کاروباری برادری، صنعت کاروں، سرمایہ کاروں، سفارتی نمائندوں اور تجارتی وفود کو ایک پلیٹ فارم پر جمع کر دیا۔ استنبول ایکسپو سینٹر کے وسیع ہالوں میں دنیا بھر سے آنے والے نمائندوں نے اپنی مصنوعات، خدمات اور کاروباری مواقع پیش کیے۔ اس عالمی نمائش میں پاکستان کی نمائندگی پاک انٹرنیشنل بزنس فورم (PIBF) کے گلوبل ڈیلیگیشن نے نہایت مؤثر اور بھرپور انداز میں کی۔ تقریباً 37 رکنی اس وفد نے نہ صرف نمائش کا دورہ کیا بلکہ 29ویں International Business Forum (IBF) کانفرنس، بورڈ آف گورنرز کی میٹنگ اور متعدد سفارتی و کاروباری ملاقاتوں میں فعال شرکت کر کے پاکستان کی کاروباری صلاحیتوں کو عالمی سطح پر اجاگر کیا۔

وفد کی قیادت Global PIBF کے ڈائریکٹر اور PIBF کراچی کے صدر جناب سہیل عزیز نے کی۔ ان کے ساتھ محمد عامر رفیع نے چیف کوآرڈینیٹر Delegation Global PIBF – MÜSIAD EXPO 2026 کے طور پر اہم ذمہ داریاں نبھائیں۔ وفد میں کراچی، لاہور، اسلام آباد، پشاور، گوجرانوالہ، سیالکوٹ اور ملک کے دیگر شہروں سے تعلق رکھنے والے تجربہ کار صنعت کار، ایکسپورٹرز، نوجوان انٹرپرینیورز اور اوورسیز پاکستانی نمائندگان شامل تھے۔ یہ تنوع اس بات کا ثبوت تھا کہ پاکستان کی بزنس کمیونٹی مختلف علاقوں اور شعبوں سے تعلق رکھنے والے افراد پر مشتمل ہے جو عالمی مواقع کو پکڑنے کے لیے تیار ہیں۔

MÜSIAD ترکیہ کی ایک بااثر نجی کاروباری تنظیم ہے۔ اس کے ترکیہ میں تقریباً 60 ہزار ممبرز ہیں جبکہ دنیا کے 79 ممالک میں اس کے چیپٹرز کام کر رہے ہیں۔ یہی وجہ ہے کہ MÜSIAD EXPO صرف ترکیہ کی نمائش نہیں بلکہ مسلم دنیا، ابھرتی ہوئی معیشتوں اور عالمی کاروباری نیٹ ورکنگ کا ایک مضبوط مرکز بن چکی ہے۔ اس سال کی نمائش میں بھی مختلف شعبوں سے تعلق رکھنے والی کمپنیوں، برانڈز اور اداروں نے اپنی مصنوعات اور خدمات پیش کیں۔ پاکستانی وفد نے ان اسٹالز کا باریک بینی سے مشاہدہ کیا، بین الاقوامی نمائندوں سے ملاقاتیں کیں اور پاکستان کی ایکسپورٹ پوٹینشل، سرمایہ کاری کے مواقع اور مقامی مصنوعات کے فروغ کے حوالے سے بات چیت کی۔

موسیاد ایکسپو کے ساتھ ہی 29ویں IBF کانفرنس بھی منعقد ہوئی جس میں دنیا بھر سے تقریباً 42 ممالک کے نمائندگان شریک ہوئے۔ یہ کانفرنس مسلم دنیا اور عالمی کاروباری برادری کے لیے ایک اہم فورم ہے۔ یہاں تجارت، سرمایہ کاری، صنعتی تعاون، B2B



روابط، ایکسپورٹ، مشترکہ منصوبوں اور مستقبل کے معاشی امکانات پر کھل کر بات کی گئی۔ IBF کی تاریخی اہمیت پاکستان کے لیے خاص طور پر نمایاں ہے۔ پہلی IBF کانفرنس 1995 میں پاکستان میں منعقد ہوئی تھی جس کا افتتاح اُس وقت کے صدرِ پاکستان فاروق احمد خان لغاری نے کیا تھا۔ اس تاریخی پس منظر کو سامنے رکھتے ہوئے پاکستانی وفد نے یہ اہم اور دوررس تجویز پیش کی کہ 2029 میں IBF کانفرنس اور متعلقہ بین الاقوامی کاروباری سرگرمیوں کو دوبارہ پاکستان میں منعقد کیا جائے۔ یہ تجویز پاکستان کے لیے ایک بڑے عالمی کاروباری موقع کی بنیاد بن سکتی ہے۔

آئندہ شیڈول کے مطابق اگلی IBF کانفرنس اپریل 2027 میں شام میں، 2028 میں ترکیہ میں جبکہ 2029 کے لیے پاکستان کی میزبانی کی تجویز زیرِ غور لائی گئی ہے۔ اگر یہ تجویز منظور ہو جاتی ہے تو پاکستان نہ صرف مسلم دنیا کے کاروباری نیٹ ورک کا اہم مرکز بن سکتا ہے بلکہ مقامی برانڈز، ایکسپورٹرز، SMEs اور نوجوان انٹرپرینیورز کے لیے نئے عالمی دروازے بھی کھل سکتے ہیں۔

بورڈ آف گورنرز کی میٹنگ میں Global PIBF کے ڈائریکٹر جناب سہیل عزیز نے پاکستان کی نمائندگی کرتے ہوئے ملک کی معیشت، کاروباری مواقع، ایکسپورٹ سیکٹر، SMEs، نوجوان کاروباری طبقے اور عالمی مارکیٹ میں پاکستانی مصنوعات کے امکانات پر تفصیل سے روشنی ڈالی۔ انہوں نے پاکستان کو صرف ایک مارکیٹ نہیں بلکہ مسلم دنیا کے درمیان تجارتی پل کے طور پر پیش کیا۔ میٹنگ میں یہ بات بھی رکھی گئی کہ پاکستان میں کاروباری نمائشوں، B2B پلیٹ فارمز اور بین الاقوامی تجارتی روابط کو مزید مضبوط کرنے کی ضرورت ہے۔ اسی تناظر میں میرا برانڈ پاکستان کو ایک کامیاب پاکستانی بزنس ماڈل کے طور پر پیش کیا گیا جو مقامی برانڈز، SMEs، صنعت کاروں، ایکسپورٹرز اور اسٹارٹ اپس کو ایک پلیٹ فارم پر لاتا ہے۔

میرا برانڈ پاکستان 2024 میں ایک نسبتاً چھوٹے ایونٹ کے طور پر شروع ہوا تھا لیکن اب یہ ایک بڑے قومی بزنس پلیٹ فارم کی صورت اختیار کر چکا ہے۔ اس کا مقصد پاکستانی مصنوعات، مقامی برانڈز، SMEs، خواتین انٹرپرینیورز، نوجوان کاروباری افراد اور ایکسپورٹ پوٹینشل رکھنے والی کمپنیوں کو فروغ دینا ہے۔ استنبول میں موسیاد اور IBF کے مختلف چیپٹرز کے نمائندگان سے ملاقاتوں کے دوران یہ وژن پیش کیا گیا کہ میرا برانڈ پاکستان کو صرف پاکستان تک محدود نہیں رکھا جائے گا بلکہ اسے مستقبل میں Muslim Brands کے وسیع تصور تک لے جایا جائے گا۔ ترکیہ، مراکش، سعودی عرب، قطر، عمان، ایران، الجزائر اور دیگر مسلم ممالک کے نمائندگان نے اس خیال میں گہری دلچسپی ظاہر کی۔

PIBF اور میرا برانڈ پاکستان کی جانب سے دنیا بھر کے IBF اور MÜSIAD چیپٹرز کو دعوت دی گئی کہ وہ 22، 23 اور 24 جنوری 2027 کو کراچی ایکسپو سینٹر میں منعقد ہونے والے Grand Expo Pakistan Brand Mera میں شرکت کریں۔ اس



موقع پر بین الاقوامی مہمانوں اور چیپٹرز کے لیے International Pavilion قائم کرنے کی تجویز بھی پیش کی گئی تاکہ مسلم ممالک کے برانڈز، مصنوعات اور کاروباری مواقع کو پاکستان میں ایک منظّم انداز میں متعارف کرایا جاسکے۔ یہ اقدام پاکستان کو علاقائی اور عالمی سطح پر برانڈنگ اور نیٹ ورکنگ کا مرکز بنا سکتا ہے۔

سفارتی اور کاروباری ملاقاتوں کے سلسلے میں PIBF گلوبل ڈیلیگیشن نے ایکسپو کے دوران مختلف ممالک کے کاروباری وفود، فورم صدور، چیپٹر نمائندگان اور سفارتی شخصیات سے ملاقاتیں کیں۔ پاکستان کے قونصل جنرل جناب فوجہ خرم کو شیلڈ پیش کی گئی۔ وہ پاکستان کے کاروباری وفود کی رہنمائی اور تعاون کے حوالے سے نہایت مثبت اور معاون کردار ادا کر رہے ہیں۔ اسی طرح IBF کے چیئرمین، موسیاد کے صدر برہان اوزدمیر اور دیگر اہم شخصیات کو بھی شیلڈز پیش کی گئیں۔ پاکستانی وفد کی کیٹلاگ، تعارفی مواد اور میرا برانڈ پاکستان کی معلومات مختلف بین الاقوامی نمائندگان میں تقسیم کی گئیں جس سے پاکستان کی کاروباری سرگرمیوں، ایکسپورٹ مواقع اور آنے والے ایونٹس کو عالمی سطح پر متعارف کرانے میں مدد ملی۔

ایکسپو کے آخری روز PIBF گلوبل ڈیلیگیشن نے موسیاد کے جنرل سیکریٹری جناب محمت چقمق سے خصوصی ملاقات کی۔ ملاقات کے دوران پاکستان اور ترکیہ کے درمیان تجارتی روابط، کاروباری وفود کے تبادلے، مشترکہ نمائشوں، سرمایہ کاری کے مواقع اور مستقبل میں باہمی تعاون کو مزید مضبوط بنانے پر تفصیلی تبادلہ خیال کیا گیا۔ وفد نے موسیاد ایکسپو کے کامیاب انعقاد، بہترین انتظامات اور بین الاقوامی بزنس کمیونٹی کو ایک مؤثر پلیٹ فارم فراہم کرنے پر موسیاد قیادت کو خراجِ تحسین پیش کیا۔ اس موقع پر PIBF کی جانب سے پاکستان کی بزنس کمیونٹی، ایکسپورٹرز، صنعت کاروں اور برانڈز کی نمائندگی کو بھرپور انداز میں اجاگر کیا گیا۔ وفد نے اس عزم کا اظہار کیا کہ PIBF پاکستان اور ترکیہ سمیت دیگر ممالک کے درمیان تجارتی تعلقات، B2B روابط اور پاکستانی مصنوعات کے فروغ کے لیے اپنا کردار جاری رکھے گا۔ ایکسپو کے تیسرے دن سو سے زائد سفارتی نمائندگان کی اہم میٹنگ بھی منعقد ہوئی جس میں کامرس منسٹر اور دیگر اعلیٰ شخصیات کی موجودگی نے اس ایونٹ کی سفارتی اور معاشی اہمیت کو مزید نمایاں کیا۔ کلوزنگ سیرمنی میں ترکیہ کے صدر رجب طیب اردوان کی شرکت متوقع تھی جس سے ایونٹ کی عالمی حیثیت مزید مضبوط ہونے کا امکان تھا۔ اس پورے دورے کے دوران پاکستان کے لیے کئی اہم مواقع سامنے آئے۔ پاکستانی مصنوعات کو مسلم دنیا اور عالمی مارکیٹ میں متعارف کرانے کا موقع ملا۔ SMEs اور مقامی برانڈز کے لیے ایکسپورٹ نیٹ ورکنگ کے دروازے کھلے؟ ترکیہ، مشرقِ وسطیٰ، افریقہ اور وسطی ایشیا کے ساتھ کاروباری روابط مضبوط ہوئے۔ مشترکہ منصوبوں، سرمایہ کاری اور ڈسٹری بیوشن چینلز کی تلاش کا آغاز ہوا۔ میرا برانڈ پاکستان کو بین الاقوامی سطح پر لے جانے کا عملی آغاز ہوا اور 2029 میں IBF کانفرنس پاکستان لانے کی مضبوط سفارتی و کاروباری کوشش شروع ہوئی۔

نوائے وقت فیملی میگزین کے قارئین کے لیے یہ رپورٹ اس لیے خاص اہمیت رکھتی ہے کہ اس میں صرف بڑے کاروباری اداروں کی بات نہیں بلکہ نوجوان انٹرپرینیورز، خواتین کاروباری افراد، چھوٹے اور درمیانے درجے کے کاروباروں اور مقامی برانڈز کے مواقع پر بھی روشنی ڈالی گئی ہے۔ میرا برانڈ پاکستان جیسے پلیٹ فارم کے ذریعے عام پاکستانی کاروباری طبقہ بھی عالمی سطح پر اپنی شناخت بنا سکتا ہے۔ اگر 2029 میں IBF کانفرنس پاکستان میں منعقد ہوتی ہے تو اس سے نہ صرف بڑے شہروں بلکہ چھوٹے شہروں اور قصبوں کے کاروباری افراد کو بھی فائدہ ہوسکتا ہے۔

PIBF کی جانب سے کہا گیا کہ یہ دورہ اس بات کا عملی ثبوت ہے کہ پاکستان کی بزنس کمیونٹی عالمی سطح پر کردار ادا کرنے کی صلاحیت رکھتی ہے بشرطیکہ اسے منظّم پلیٹ فارم، مستقل فالو اپ اور بین الاقوامی رابطوں کے مؤثر استعمال کے ساتھ آگے بڑھایا جائے۔ جناب سہیل عزیز اور محمد عامر رفیع سمیت پوری ٹیم کی کاوشیں قابلِ تعریف ہیں۔ انہوں نے نہ صرف پاکستان کی نمائندگی کی بلکہ مستقبل کے لیے نئے راستے بھی کھولے۔ استنبول کا یہ سفر پاکستان کی کاروباری تاریخ میں ایک اہم باب ثابت ہوسکتا ہے۔ اگر ان روابط کو آگے بڑھایا جائے، میرا برانڈ پاکستان جیسے پلیٹ فارمز کو مضبوط کیا جائے اور 2029 کی میزبانی حاصل کرنے کے لیے منظم حکمت عملی بنائی جائے تو پاکستان مسلم دنیا کے کاروباری منظرنامے میں ایک اہم کردار ادا کرسکتا ہے۔ نوجوان نسل، خواتین انٹرپرینیورز اور مقامی برانڈز کے لیے یہ مواقع نہ صرف معاشی ترقی کا ذریعہ بن سکتے ہیں بلکہ قومی فخر کا باعث بھی۔ اس خصوصی رپورٹ کے اختتام پر یہ کہنا بے جا نہ ہوگا کہ پاکستان کی بزنس کمیونٹی نے استنبول میں اپنی صلاحیتوں کا لوہا منوایا ہے۔ اب ضرورت اس امر کی ہے کہ ان کامیابیوں کو مستقل بنیادوں پر آگے بڑھایا جائے تاکہ پاکستان کی معیشت، ایکسپورٹ اور نوجوان نسل کو حقیقی فائدہ پہنچے۔



ISSN # : 3080-9746

ترک عصر (صدی)، مکہ اور بدر۔۔۔

اِتحاد اور خود انحصاری کی نئی صبح



تحریر: شبانہ ایاز

کبھی کبھی تاریخ خود اپنے قدم جمانے لگتی ہے۔ انقرہ کی سڑکوں پر جب ترک ریاستوں کے پرچم لہراتے ہیں اور مکہ مکرمہ کی مبارک زمین پر تین بڑی مسلم طاقتیں دفاعی اتحاد کا معاہدہ کرتی ہیں تو محسوس ہوتا ہے کہ امت مسلمہ اور ترک دنیا ایک نئے دور کی دہلیز پر کھڑی ہے۔ صدر رجب طیب ایردوآن نے جسے ترک عصر کا نام دیا، وہ صرف ایک نعرہ نہیں بلکہ ایک مکمل ویژن ہے۔ اور اس ویژن کے ساتھ ہی مکہ معاہدہ اور پھر بدر مفاہمت نامہ نے خطے کی سیاست کو ایک نئی سمت دی ہے۔

29 October 2026 کو ترکیہ کی جمہوریہ کی 103ویں سالگرہ کے موقع پر انقرہ میں ترک ریاستوں کی تنظیم کی تیرہویں سربراہی کانفرنس منعقد ہوئی۔ اس کانفرنس کی تھیم تھی۔

"ترک صدی"

دِل، فکر اور عمل میں اتحاد۔ صدر رجب طیب ایردوآن نے بیش تپے کے شاندار ہال میں ترک دنیا کے رہنماؤں کو مخاطب کرتے ہوئے کہا کہ آنے والا دوران شاء اللہ ترک عصر ہوگا۔ انہوں نے کہا کہ ترک دنیا مکمل یکجہتی، باہمی احترام اور بھائی چارے کے ساتھ اپنے مستقبل کی طرف بڑھے گی۔ قازقستان کے صدر توقایف، ازبکستان کے صدر میرزیویف، کرغزستان کے صدر جپاروف، ترکمانستان کے صدر بردی محمدوف اور شمالی قبرص کے صدر ارہرمان وہاں موجود تھے۔ آذربائیجان کی نمائندگی خارجہ وزیر کر رہے تھے۔ یہ منظر دیکھ کر محسوس ہوتا تھا کہ وسطی ایشیا سے اناطولیہ تک پھیلی ہوئی ترک قوم ایک بار پھر اکٹھی ہو رہی ہے۔

ترک عصر کا مطلب کیا ہے؟ صرف اقتصادی ترقی نہیں۔ یہ زبان، ثقافت، تجارت، توانائی، دفاع اور ٹیکنالوجی میں مکمل انضمام ہے۔ ترک ریاستوں کی تنظیم جو 2009 میں نخچیوان معاہدے سے شروع ہوئی تھی، اب ایک مضبوط ادارہ بن چکی ہے۔ اس کی آبادی بیس کروڑ سے زیادہ ہے۔ ترک دنیا 2040 ویژن کے تحت تجارت، وسطی راہداری، ڈیجیٹل تبدیلی اور مشترکہ دفاعی صنعت پر کام ہو رہا ہے۔ انقرہ سربراہی کانفرنس میں ترکیہ نے آذربائیجان سے دورانیہ صدارت سنبھالی۔ مشترکہ ای کامرس پلیٹ فارم، میوزیم پاس، ہوائی اڈوں پر مشترکہ کاؤنٹر اور یہاں تک کہ



ترک دنیا فٹ بال کپ جیسے منصوبے زیرِ غور ہیں۔ یہ سب کچھ ترک عصر کی بنیادیں ہیں۔

لیکن ترک عصر صرف ترک ریاستوں تک محدود نہیں۔ اسی سال 7 August 2026 کو مکہ مکرمہ میں ایک اور تاریخی دستخط ہوئے۔ صدر رجب طیب ایردوآن، سعودی ولی عہد محمد بن سلمان اور پاکستان کے وزیر اعظم شہباز شریف نے مکہ مشترکہ دفاعی معاہدہ پر دستخط کیے۔ یہ معاہدہ سولہ شقوں پر مشتمل ہے۔ اس کی سب سے اہم شق یہ ہے کہ اگر کسی ایک فریق پر بیرونی مسلح حملہ ہوتا ہے تو اسے تینوں پر حملہ سمجھا جائے گا۔ تینوں ممالک ایک دوسرے کی آزادی، خودمختاری اور علاقائی سالمیت کے تحفظ کے لیے تمام ضروری ذرائع استعمال کریں گے۔ سیکرٹریٹ سعودی عرب میں ہوگا اور پہلا جنرل سیکرٹری پاکستان سے ہوگا۔ معاہدہ دس سال تک نکالنے کی اجازت نہیں دیتا۔ یہ صرف دفاعی نہیں بلکہ انٹیلی جنس شیئرنگ، مشترکہ مشقیں، دفاعی صنعت میں تعاون اور انسداد دہشت گردی کو بھی شامل کرتا ہے۔

مکہ معاہدہ اور ترک عصر ایک دوسرے سے جڑے ہوئے ہیں۔ ترکیہ دونوں پلیٹ فارمز کا مرکز ہے۔ ایک طرف ترک دنیا کو متحد کر رہا ہے تو دوسری طرف سعودی عرب اور پاکستان کے ساتھ دفاعی اتحاد بنا رہا ہے۔ یہ اتحاد کسی ملک کے خلاف نہیں۔ صدر رجب طیب ایردوآن نے بار بار کہا کہ یہ ایران، اسرائیل یا کسی تیسرے فریق کے خلاف نہیں۔ یہ خطے میں امن، استحکام اور اجتماعی دفاع کے لیے ہے۔ حالیہ دنوں میں مکہ معاہدے کے ارکان نے تہران کا دورہ بھی کیا اور ایران کے ساتھ بات چیت شروع کی۔ یہ عمل بتاتا ہے کہ یہ اتحاد تنہائی کا نہیں بلکہ بات چیت اور استحکام کا راستہ تلاش کر رہا ہے۔

اکتوبر 2026 کے تیسرے ہفتے میں دوحہ میں ایک اور اہم دستخط ہوا۔ ترکیہ، قطر، پاکستان اور انڈونیشیا نے بدر مفاہمت نامے پر دستخط کر دیے۔ مکہ کے صرف دو ماہ بعد یہ معاہدہ سامنے آیا۔ دونوں الگ الگ نوعیت کے ہیں، لیکن ایک دوسرے کی تکمیل کرتے ہیں۔ مکہ ایک کلاسیکل دفاعی پیکٹ ہے جو اعتماد کی بنیاد رکھتا ہے، جبکہ بدر اس اعتماد کو صنعت اور ٹیکنالوجی کی سطح پر لے جاتا ہے۔ بدر میں مشترکہ پیداوار، تحقیق و ترقی، تکنیکی تربیت اور ٹیکنالوجی کے تبادلے پر زور دیا گیا ہے۔

بدر مفاہمت نامے کی سب سے بڑی خوبی یہ ہے کہ یہ چاروں ممالک کی تکمیلی صلاحیتوں کو ایک پلیٹ فارم پر لاتا ہے۔ ترکیہ کے پاس نسبتاً جدید دفاعی صنعت ہے، ڈرونز سے

ISSN # : 3080-9746

پاس پیداوار کی صلاحیت، تجربہ کار افرادی قوت اور بڑی فوجی مشینری موجود ہے۔ انڈونیشیا کے پاس وسیع مارکیٹ اور مینوفیکچرنگ بیس ہے۔ قطر کے پاس سرمایہ کاری کی صلاحیت اور خریداری کی قوت ہے۔ جب یہ سب ایک ساتھ کام کریں تو نتیجہ صرف خرید و فروخت نہیں بلکہ مشترکہ پیداوار اور ٹیکنالوجی کی منتقلی نکل سکتا ہے۔

ترکیہ کی دفاعی صنعت کے سربراہ حالوک گورگون نے درست کہا کہ مقصد "مل کر پیدا کرنا، مل کر ترقی دینا اور مل کر مضبوط ہونا" ہے۔ پاکستان اور ترکیہ کے درمیان پہلے سے ملگم کاروویٹ پروجیکٹ کامیابی سے چل رہا ہے۔ انڈونیشیا کے ساتھ کا پلان ٹینک اور دیگر منصوبے آگے بڑھ رہے ہیں۔ قطر طویل عرصے سے ترکیہ کے دفاعی نظام استعمال کر رہا ہے۔ بدر معاہدہ ان سب کو ایک منظّم فریم ورک دیتا ہے تاکہ کام بکھرا ہوا نہ رہے۔

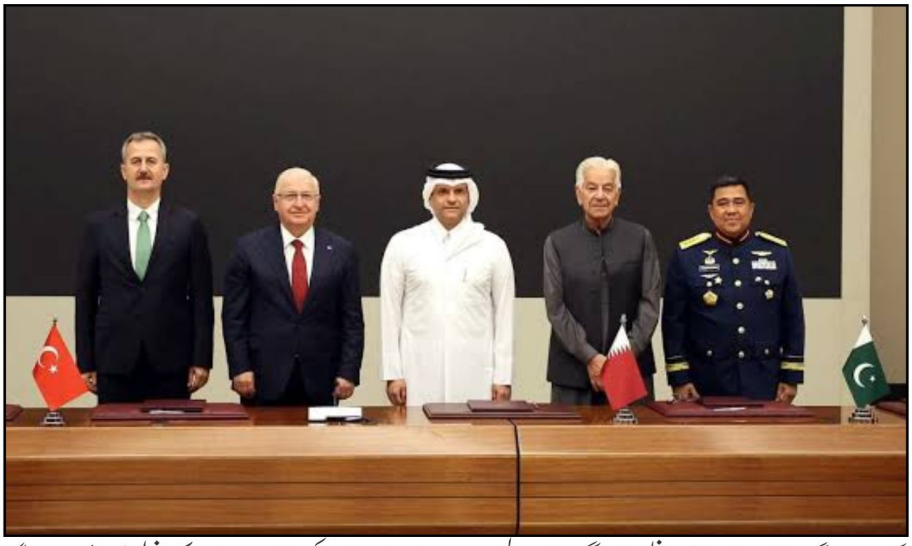
صدر رجب طیب ایردوآن کی قیادت میں ترکیہ نے حالیہ برسوں میں دفاعی خود انحصاری کو ترجیح دی ہے۔ مکہ معاہدہ اور اب بدر مفاہمت نامہ اسی سوچ کی توسیع ہیں۔ پاکستان کے لیے ان معاہدوں کے مثبت پہلو واضح ہیں۔ دفاعی صنعت میں خود انحصاری کا خواب تب حقیقت بنتا ہے جب بین الاقوامی شراکت داری ہو۔ مشترکہ پیداوار سے نہ صرف ٹیکنالوجی آتی ہے بلکہ مقامی صنعت کو بھی کام ملتا ہے، روزگار پیدا ہوتا ہے اور برآمدات کے امکانات کھلتے ہیں۔



اگر بدر کے تحت ڈرونز، بحری پلیٹ فارمز یا دیگر نظاموں کی مشترکہ پیداوار شروع ہوئی تو پاکستان کی دفاعی صنعت کو نئی جان مل سکتی ہے۔

ایک اہم بات یہ بھی ہے کہ بدر معاہدہ بند دروازہ نہیں۔ یہ ایک کھلا فریم ورک ہے جس میں دیگر ممالک بھی شامل ہو سکتے ہیں۔ اگر ملائیشیا، بنگلہ دیش یا خلیج کے دیگر ممالک دلچسپی ظاہر کریں تو یہ پلیٹ فارم مزید وسیع ہو سکتا ہے۔ مکہ اور بدر دونوں مل کر یہ پیغام دیتے ہیں کہ پاکستان اپنے روایتی شراکت داروں کے ساتھ تعلقات کو مزید گہرا کر رہا ہے۔ سعودی عرب کے ساتھ دفاعی عہد، قطر اور انڈونیشیا کے ساتھ صنعتی تعاون، اور ترکیہ کے ساتھ دونوں سطحوں پر شراکت داری۔ یہ ایک متوازن اور دور اندیش سفارتی حکمت عملی ہے۔

فیملی میگزین کے قارئین شاید سوچیں کہ یہ سب اعلیٰ سطح کی سیاست ہے، ہماری روزمرہ زندگی سے کیا تعلق؟ تعلق یہ ہے کہ جب قومیں متحد ہوتی ہیں تو ان کے عوام بھی مضبوط ہوتے ہیں۔ ترک عصر کا مطلب ہے کہ ہمارے بچے وسطی ایشیا کے یونیورسٹیوں میں تعلیم حاصل کریں، ہمارے تاجر بغیر رکاوٹ تجارت کریں، ہماری ثقافتیں ایک دوسرے سے جڑیں اور ہمارے نوجوان مشترکہ منصوبوں پر کام کریں۔ مکہ



معاہدہ اس بات کی ضمانت دیتا ہے کہ خطے میں امن رہے گا تاکہ ترقی ممکن ہو۔ بدر معاہدہ دفاعی صنعت میں روزگار اور برآمدات کے نئے دروازے کھولتا ہے۔

تاریخ بتاتی ہے کہ ترک قوم جب متحد ہوئی تو دنیا بدل گئی۔ عثمانی دور ہو یا سلجوقی، ترکوں نے ہمیشہ وسیع علاقوں کو جوڑا۔ آج بھی وہی جذبہ نظر آ رہا ہے۔ صدر رجب طیب ایردوآن نے ترک عصر کا نعرہ لگا کر نہ صرف ترک ریاستوں کو بلکہ پوری امت مسلمہ کو ایک پیغام دیا ہے کہ اتحاد ہی طاقت ہے۔ مکہ اور بدر اسی پیغام کی عملی شکل ہیں۔

البتہ چیلنجز بھی ہیں۔ یمن کا بحران، خطے کی پیچیدہ سیاست، اور بعض ممالک کے تحفظات موجود ہیں۔ لیکن اگر رہنما دانشمندی سے کام لیں تو یہ اقدامات خطے کو استحکام دے سکتے ہیں۔ ترکیہ کی پارلیمنٹ نے مکہ معاہدے کی منظوری دے دی ہے۔ سعودی عرب اور پاکستان نے بھی اپنے طریقے کار مکمل کر لیے ہیں۔ اب عمل درآمد کا مرحلہ ہے۔ بدر کے تحت مشترکہ پروجیکٹس کی فہرست، ٹائم لائنز اور فنڈنگ کے انتظامات جلد طے ہونے چاہئیں۔

نوائے وقت کے قارئین جانتے ہیں کہ سیاست صرف حکمرانوں کا کھیل نہیں۔ یہ قوموں کے مستقبل کا فیصلہ کرتی ہے۔ ترک عصر، مکہ اور بدر معاہدے ہمیں امید دیتے ہیں کہ مسلم دنیا اور ترک دنیا ایک بار پھر اپنی عظمت کی طرف بڑھ سکتی ہے۔ یہ امید صرف حکومتی بیانات کی نہیں بلکہ مشترکہ تاریخ، مشترکہ تہذیب اور مشترکہ مستقبل کی ہے۔

آنے والے دن بتائیں گے کہ یہ ویژن کتنا عملی بنتا ہے۔ لیکن آج انقرہ، مکہ اور دوحہ تینوں جگہوں سے جو آواز آ رہی ہے وہ اتحاد اور خود انحصاری کی ہے۔ اور اتحاد ہی وہ طاقت ہے جو قوموں کو زندہ رکھتی ہے۔ ترک عصر کی یہ صبح اگر صحیح سمت میں چلی تو نہ صرف ترک دنیا بلکہ پوری امت مسلمہ کے لیے ایک نیا باب کھل سکتا ہے۔

پانی کی حفاظت اور اسلامی تعلیمات



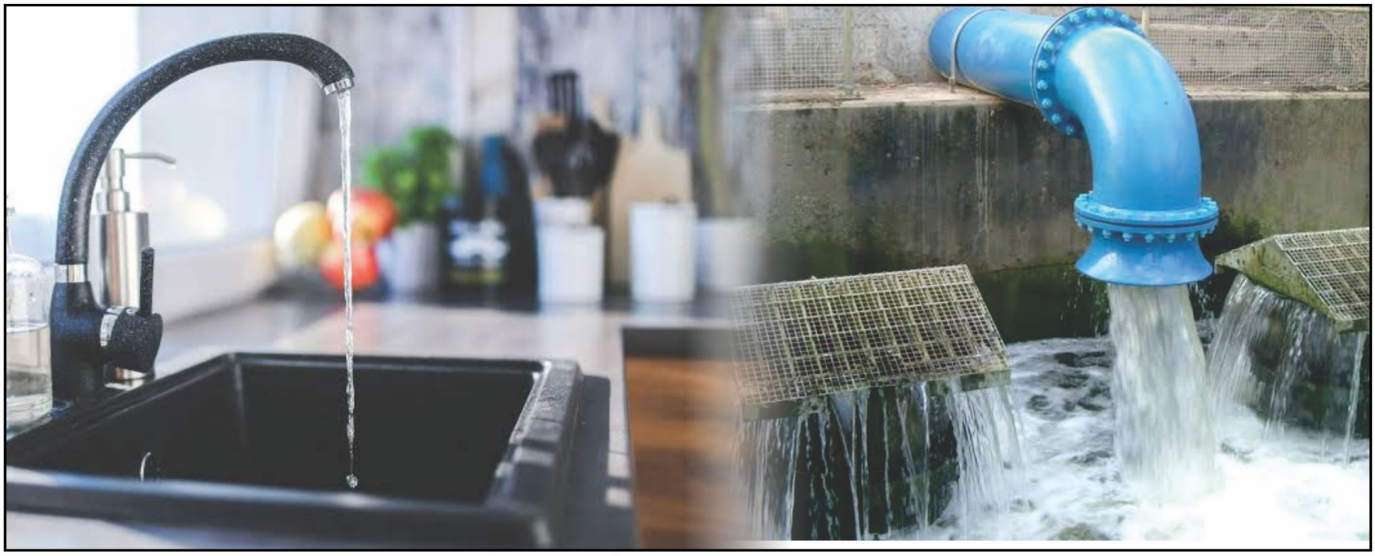
ڈاکٹر مفتی احمد رضا

اِنسانی زندگی اللہ تعالیٰ کی بے شمار نعمتوں سے عبارت ہے۔ ان نعمتوں میں پانی کو ایک نمایاں مقام حاصل ہے، کیونکہ یہ زندگی کی بقا، انسانی صحت، زراعت، خوراک کی پیداوار، صفائی اور معاشرتی ضروریات کی تکمیل کا بنیادی ذریعہ ہے۔ انسان کے پاس دولت ہو، جدید ٹیکنالوجی ہو، وسیع عمارتیں ہوں یا زندگی کی دوسری آسائشیں، اگر پینے کے لیے صاف پانی میسر نہ ہو تو ان میں سے کوئی چیز زندگی کی بنیادی ضرورت پوری نہیں کرسکتی۔ پانی کی یہی اہمیت اسے محض ایک قدرتی وسیلے کے بجائے اللہ تعالیٰ کی عظیم امانت بنا دیتی ہے۔

ہم روزانہ پانی استعمال کرتے ہیں، وضو کرتے ہیں، غسل کرتے ہیں، کھانا پکاتے ہیں، کپڑے دھوتے ہیں، گھروں کی صفائی کرتے ہیں اور اپنی فصلوں کو سیراب کرتے ہیں۔ لیکن سوال یہ ہے کہ کیا ہم کبھی ٹھہر کر سوچتے ہیں کہ جس پانی کو ہم چند لمحوں میں بہا دیتے ہیں، وہ کسی دوسرے انسان کے لیے کتنی بڑی ضرورت ہوسکتا ہے؟ کیا ہمیں احساس ہے کہ ہمارے گھروں میں بہنے والا پانی کسی ایسے گھرانے کی محرومی کا سبب بھی بن سکتا ہے جہاں لوگ صاف پانی کے حصول کے لیے طویل مسافت طے کرنے پر مجبور ہیں؟ اور کیا ہم اس حقیقت کو سمجھتے ہیں کہ آج پانی کے استعمال میں ہماری بے احتیاطی آنے والی نسلوں کے لیے مشکلات پیدا کرسکتی ہے؟

پاکستان میں پانی کی دستیابی، اس کے معیار، بڑھتی ہوئی ضروریات اور آبی وسائل کے مؤثر انتظام پر سنجیدہ توجہ کی ضرورت ہے۔ یہی وجہ ہے کہ پانی کے تحفظ کے لیے سرکاری ادارے، تحقیقی مراکز اور متعلقہ تنظیمیں وقتاً فوقتاً آگاہی مہمات، ہدایات اور پالیسی اقدامات کے ذریعے عوام اور متعلقہ شعبوں کو متوجہ کرتے ہیں۔ ان کوششوں کا مقصد محض پانی کا استعمال کم کرنا نہیں، بلکہ دستیاب وسائل کو ذمہ داری کے ساتھ استعمال کرنا، ضیاع روکنا اور مستقبل میں پانی کی ضروریات پوری کرنے کی صلاحیت کو محفوظ رکھنا ہے۔

قرآن مجید انسان کو کائنات کی نعمتوں پر غور کرنے اور ان کے حقیقی قدر دان بننے کی دعوت دیتا ہے۔ پانی کے بارے میں اللہ تعالیٰ ارشاد فرماتا ہے: ”اور ہم نے ہر جاندار چیز پانی سے بنائی۔“ (الانبیاء:30)



یہ آیت پانی کی بنیادی اہمیت کو واضح کرتی ہے۔ زندگی کے مختلف مظاہر میں پانی کا کردار انسان کو اس حقیقت کی طرف متوجہ کرتا ہے کہ یہ اللہ تعالیٰ کی عطا کردہ ایسی نعمت ہے جس کے بغیر زندگی کا نظام قائم نہیں رہ سکتا۔ انسان، حیوانات، نباتات اور زراعت سب کسی نہ کسی صورت میں پانی کے محتاج ہیں۔ زمین کی سرسبزی، باغات کی رونق، کھیتوں کی پیداوار اور انسان کی روزمرہ زندگی اسی نعمت سے وابستہ ہیں۔

اللہ تعالیٰ سورہ واقعہ میں پانی کے متعلق انسان کو غور و فکر کی دعوت دیتے ہوئے فرماتا ہے: ”بھلا دیکھو تو وہ پانی جو تم پیتے ہو، کیا تم نے اسے بادل سے اتارا ہے یا ہم اتارنے والے ہیں؟“ (الواقعہ:68-69)

ان آیات میں انسان کو اپنی قدرت اور اختیار کی حدود پہچاننے کا درس دیا گیا ہے۔ ہم پانی حاصل کرنے کے لیے کنویں کھود سکتے ہیں، ڈیم بنا سکتے ہیں، نہری نظام قائم کر سکتے ہیں اور جدید ٹیکنالوجی سے اس کی ترسیل بہتر بنا سکتے ہیں، لیکن بارش کا نظام، زمین کے اندر پانی کے ذخائر اور زندگی کے لیے ضروری قدرتی توازن اللہ تعالیٰ کے مقرر کردہ نظام کا حصہ ہیں۔ انسان کی ذمہ داری ہے کہ وہ ان وسائل سے فائدہ اٹھائے، مگر ان کے استعمال میں بے احتیاطی اور تباہ کن رویے اختیار نہ کرے۔

اسراف سے اجتناب: اسلامی تعلیمات کا بنیادی اصول

اسلام انسان کو زندگی کے تمام معاملات میں اعتدال، توازن اور ذمہ داری کی تعلیم دیتا ہے۔ خوراک ہو، لباس ہو، مال ہو یا پانی، کسی نعمت کا بے جا استعمال پسندیدہ طرزِ عمل نہیں۔ اللہ تعالیٰ قرآن مجید میں ارشاد فرماتا ہے:

”اور کھاؤ اور پیو اور حد سے نہ بڑھو، بے شک وہ حد سے بڑھنے والوں کو پسند نہیں فرماتا۔“ (الاعراف:31)

اگرچہ اس آیت میں کھانے پینے کا ذکر ہے، لیکن اس کا عمومی اخلاقی سبق یہ ہے کہ انسان اللہ تعالیٰ کی عطا کردہ نعمتوں سے فائدہ اٹھاتے ہوئے حد سے تجاوز نہ کرے۔ پانی کا ایسا استعمال جس میں ضرورت سے زیادہ خرچ کرنا، قابلِ استعمال پانی کو بلاوجہ بہانا یا دوسروں کی ضروریات کو نظر انداز کرنا شامل ہو، اسی اصول کے خلاف ہے۔

پاکستان میں پانی کی صورتِ حال: ایک حقیقت جسے نظر انداز نہیں کیا جاسکتا۔

ISSN # : 3080-9746



پاکستان ایک ایسا ملک ہے جہاں پانی کی اہمیت زراعت، خوراک کی پیداوار، صنعت، صحت اور روزمرہ زندگی سے براہِ راست وابستہ ہے۔ ملک کی آبادی، شہری ضروریات، زرعی سرگرمیوں اور موسمی حالات میں تبدیلی کے باعث پانی کے مؤثر انتظام کی ضرورت مسلسل اہم ہوتی جا رہی ہے۔ اقوام متحدہ کے پائیدار ترقیاتی اہداف کے ملکی اعداد و شمار کے مطابق 2024ء میں پاکستان کی تقریباً 45 فیصد آبادی کو محفوظ طریقے سے منظّم پینے کے پانی کی سہولت میسر تھی۔ اس پیمانے میں پانی کا گھر یا احاطے میں دستیاب ہونا، ضرورت کے وقت میسر ہونا اور آلودگی سے پاک ہونا شامل ہے۔ یہ اعداد و شمار واضح کرتے ہیں کہ پانی کی دستیابی کے ساتھ اس کے معیار اور فراہمی کے انتظام پر بھی خصوصی توجہ درکار ہے۔

پانی کی کمی کا مسئلہ صرف اس وقت سامنے نہیں آتا جب کسی علاقے میں نل خشک ہو جائیں۔ یہ اس وقت بھی موجود ہوتا ہے جب پانی تو دستیاب ہو، لیکن آلودہ ہو؛ جب پانی کا نظام موجود ہو، لیکن رساؤ کی وجہ سے بڑی مقدار ضائع ہو رہی ہو؛ یا جب کسی جگہ پانی کا غیر ضروری استعمال دوسری ضروریات کے لیے دستیابی محدود کر رہا ہو۔

ہمیں ان لوگوں کے حالات پر بھی غور کرنا چاہیے جنہیں پینے کا صاف پانی حاصل کرنے کے لیے دور جانا پڑتا ہے، جو پانی خریدنے پر اپنی محدود آمدنی کا بڑا حصہ خرچ کرتے ہیں، یا جو ناقص معیار کے پانی کے استعمال کے خطرات سے دوچار ہوتے ہیں۔ ایسے حالات میں پانی ضائع کرنے کا رویہ محض ذاتی بے احتیاطی نہیں رہتا، بلکہ ایک اجتماعی مسئلے کی صورت اختیار کر لیتا ہے۔

یہاں یہ بات بھی سمجھنا ضروری ہے کہ پاکستان میں پانی کی مشکلات کی تمام وجوہ صرف عوامی ضیاع نہیں ہیں۔ آبی وسائل کا انتظام، ترسیلی نظام کی خرابی، آلودگی، زرعی استعمال، موسمیاتی تبدیلیاں، زیرِ زمین پانی کا غیر متوازن اخراج اور ادارہ جاتی مسائل بھی اہم عوامل ہیں۔ اس لیے حل بھی انفرادی ذمہ داری اور اجتماعی منصوبہ بندی، دونوں کو ساتھ لے کر ہی ممکن ہے۔

پانی کہاں کہاں ضائع ہو رہا ہے؟

پانی کے ضیاع کی کئی صورتیں ہمارے روزمرہ معمولات میں اس قدر عام ہو چکی ہیں کہ اکثر لوگ انہیں مسئلہ ہی نہیں سمجھتے۔ ضرورت اس امر کی ہے کہ ہم اپنے رویوں کا جائزہ لیں اور ان چھوٹی چھوٹی کوتاہیوں کو پہچانیں جن کا مجموعی نقصان بہت بڑا ہو سکتا ہے۔

1۔ گھروں میں نل کھلا چھوڑ دینا

دانت صاف کرتے وقت، ہاتھ دھوتے ہوئے، برتن دھوتے ہوئے یا صابن استعمال کرتے ہوئے نل کو مسلسل کھلا رکھنا غیر ضروری ضیاع کا سبب بنتا ہے۔ ضرورت پوری ہونے کے بعد نل بند کر دینا ایک معمولی عمل ہے، لیکن اگر ہر گھر میں اس کا اہتمام کیا جائے تو اجتماعی سطح پر نمایاں بچت ممکن ہے۔

2۔ وضو اور غسل میں ضرورت سے زیادہ پانی استعمال کرنا

بعض مساجد اور گھروں میں وضو کے دوران پانی مسلسل بہتا رہتا ہے، حالانکہ متعلقہ عضو دھونے کے لیے اتنے زیادہ پانی کی ضرورت نہیں ہوتی۔ بعض لوگ پانی کی فراوانی کو صفائی کی علامت سمجھتے ہیں، جبکہ صفائی اور اسراف دو الگ باتیں ہیں۔ وضو میں شرعی طریقے کی پابندی، پانی کا مناسب بہاؤ اور نل کو غیر ضروری طور پر کھلا نہ چھوڑنا اسلامی اعتدال کے مطابق طرزِ عمل ہے۔

3۔ گاڑیاں اور صحن دھوتے وقت بے احتیاطی

گھروں کے سامنے گاڑیاں دھونے، صحن صاف کرنے اور فرش پر پانی بہانے کے دوران بعض اوقات ضرورت سے زیادہ پانی استعمال کیا جاتا ہے۔ جہاں جھاڑو، کپڑے، بالٹی یا مناسب صفائی کے دوسرے طریقوں سے کام ہو سکتا ہو، وہاں مسلسل پائپ سے پانی بہانا مناسب نہیں۔ مقصد صفائی ہونا چاہیے، پانی کا بے مقصد استعمال نہیں۔

4۔ گھروں، مساجد اور اداروں میں رساؤ

خراب نل، لیک ہوتے پائپ، ٹینکی کے خراب فلوٹ، ٹوٹی ہوئی لائنیں اور پانی کے بہاؤ کو قابو میں نہ رکھنے والے آلات خاموشی سے پانی ضائع کرتے رہتے ہیں۔ بعض اوقات لوگ یہ سوچ کر مرمت مؤخر کرتے رہتے ہیں کہ چند قطرے ہی تو گر رہے ہیں، لیکن مسلسل رساؤ وقت کے ساتھ خاصی مقدار میں پانی ضائع کر سکتا ہے۔ اس لیے خرابی کی بروقت مرمت پانی کے تحفظ کا بنیادی قدم ہے۔

5۔ باغات اور سبزہ زاروں کو ضرورت سے زیادہ پانی دینا

پودوں اور درختوں کو پانی دینا ضروری ہے، لیکن اس کام میں بھی مناسب مقدار اور درست وقت کا خیال رکھنا چاہیے۔ ایسے اوقات میں پانی دینا جب اس کا بڑا حصہ بخارات بن کر اڑ جائے، یا ضرورت سے زیادہ آب پاشی کرنا، پانی کے مؤثر استعمال کے خلاف ہے۔ مقامی موسم، مٹی اور پودوں کی ضرورت کے مطابق آب پاشی کی جائے تو پانی کی بچت کے ساتھ پودوں کی صحت بھی بہتر رہ سکتی ہے۔

6۔ زرعی شعبے میں غیر مؤثر طریق؟ آب پاشی

پاکستان میں زراعت پانی کی بڑی صارف ہے۔ اس لیے زرعی پانی کے مؤثر استعمال کی اہمیت بہت زیادہ ہے۔ جہاں ممکن اور موزوں ہو، وہاں کھیتوں کی ہمواری، نہروں اور کھالوں کی دیکھ بھال، آب پاشی کے بہتر طریقوں اور فصلوں کی ضرورت کے مطابق پانی فراہم کرنے سے ضیاع کم کیا جا سکتا ہے۔ اس سلسلے میں کسانوں کو جدید زرعی رہنمائی، فنی معاونت اور مناسب سہولتوں کی فراہمی بھی ضروری ہے۔ (جاری ہے)

ISSN # : 3080-9746



گڑیا کا گڈو



محمد ذوالقرنین حیدر

میں آپ کو بتاتی ہوں گڈو میرا دوست کیسے بنا ایک دن اماں نے مجھے سبزی لانے کے لیے بھیجا گڈو اپنے گھر کے باہر ٹافیاں بیچ رہا تھا مجھے ٹافی کھانی تھی میں نے گڈو سے کہا مجھے ٹافی دیدو میں کل پیسے دیدونگی اس نے مجھے ٹافی دے دی اور پیسے بھی نہیں لیے پھر ہم دونوں دوست بن گئے۔ میرا نام گڑیا ہے اور میں اس وقت ہسپتال کے کوریڈور میں بیٹھی ہوئی ہوں سناٹا ہے، زمین بھی ٹھنڈی ہے۔ میری اماں پریشان ہوگی میں گھر نہیں گئی مگر کوئی بات نہیں صبح چلی جاؤنگی اماں مارے گی مار کھالونگی۔ مگر گڈو اسے کیسے چھوڑ کر چلی جاؤں مگر آپ کو کیا پتا گڈو کون ہے؟ میں آپ کو بتاتی ہوں گڈو کون ہے؟ گڈو میرا دوست، ہم راز ہے سب کچھ ہے وہ مجھے بھٹہ لا کر دیتا تھا، قلفی کھلاتا تھا، ڈھیر ساری باتیں کرتا تھا۔ میں آپ کو بتاتی ہوں گڈو میرا دوست کیسے بنا ایک دن اماں نے مجھے سبزی لانے کے لیے بھیجا گڈو اپنے گھر کے باہر ٹافیاں بیچ رہا تھا مجھے ٹافی کھانی تھی میں نے گڈو سے کہا مجھے ٹافی دیدو میں کل پیسے دیدونگی اس نے مجھے



ٹافی دے دی اور پیسے بھی نہیں لیے پھر ہم دونوں دوست بن گئے۔ مگر ہمارا علاقہ بہت گندا ہے وہاں جگہ جگہ کچرے کا ڈھیر ہے۔ ہم دونوں پھاٹک کے پاس بیٹھ کر باتیں کرتے تھے گڈو پیسے گنتا تھا اور میں اس سے باتیں کرتی تھی۔

ایک دن ہم دونوں گھر واپس آرہے تھے راستے میں کچرا تھا میں اور گڈو کچرے میں سے بچ کر چل رہے تھے مگر پھر بھی پتا نہیں کیسے گڈو کے پاؤں میں کچرے میں سے کچھ چبھ گیا اور وہ لنگڑا کر چلنے لگا اس کے پاؤں میں سے خون رسنے لگا وہ میں نے اپنے دوپٹے سے صاف کر دیا مگر گڈو پھر بیمار رہنے لگا ڈاکٹر کہتے ہیں اسے ایڈز ہے وہ مرجائے گا۔ ایسا کیسے ہوسکتا ہے گڈو مرجائے۔ میں ٹھنڈے فرش پر بیٹھ کر دعا کر رہی ہوں میری دعا قبول ہوگی گڈو نہیں مرے گا۔۔ پیارے بچو! آپ بھی کہیے نہ گڑیا کا گڈو زندہ رہے گا اسے کچھ نہیں ہوگا۔ ہاں! شاید گڈو زندہ رہے۔

ISSN # : 3080-9746

ٹرائی سیریز: پاکستان کی تاریخی فتح

قذافی اسٹیڈیم میں سری لنکا کے خلاف کھیلے جانیوالے فائنل میچ میں فخر زمان، سعد بیگ اور عرفات منہاس کی شاندار کارکردگی

میگزین رپورٹ



کرکٹ کے میدان میں بعض فتوحات محض ایک ٹرافی کے حصول تک محدود نہیں رہتیں، بلکہ وہ عزم، حوصلے اور غیر معمولی صلاحیتوں کی ایسی داستان رقم کرتی ہیں جو مدتوں یاد رکھی جاتی ہے۔ پاکستان اور سری لنکا کے درمیان ون ڈے ٹرائی نیشن سیریز کا فائنل بھی ایک ایسا ہی سنسنی خیز معرکہ ثابت ہوا، جس میں شاہینوں نے آخری دم تک ہمت نہ ہاری اور اعصاب شکن مقابلے کے بعد سری لنکا کو 3 وکٹوں سے شکست دے کر ٹرافی اپنے نام کرلی۔ اس شاندار کامیابی نے نہ صرف پاکستانی شائقینِ کرکٹ کو خوشی سے سرشار کر دیا بلکہ یہ بھی ثابت کیا کہ مشکل ترین حالات میں حوصلہ، اجتماعی کوشش اور جیت کا پختہ عزم کامیابی کی راہ ہموار کرسکتا ہے۔

پاکستان کی جانب سے ون ڈے کرکٹ کے فائنل میں 326 رنز کے ہدف کا کامیاب تعاقب ایک تاریخی کارنامہ ہے، کیونکہ یہ کسی بھی ون ڈے فائنل میں حاصل کیا جانے والا مشترکہ طور پر سب سے بڑا ہدف ہے۔ اس سے قبل 2002ء میں بھارت نے انگلینڈ کے خلاف فائنل میں 326 رنز کا ہدف کامیابی سے حاصل کیا تھا۔ مزید برآں، پاکستان نے 18 سالہ انتظار ختم کرتے ہوئے ون ڈے سہ فریقی سیریز کا ٹائٹل اپنے نام کیا۔ پاکستان نے آخری مرتبہ 2008ء میں ون ڈے سہ فریقی سیریز کا ٹائٹل اپنے نام کیا تھا، جب بنگلا دیش میں منعقدہ ''کِٹ پلی کپ'' (Kitply Cup) کے فائنل میں روایتی حریف بھارت کو 25 رنز سے شکست دے کر چیمپئن بننے کا اعزاز حاصل کیا تھا۔ یہ کامیابی پاکستانی کرکٹ کی تاریخ میں ایک اہم سنگِ میل کی حیثیت رکھتی ہے۔ پاکستان نے لاہور میں کھیلے جانے والے ٹرائی نیشن سیریز کے فائنل میں ٹاس جیت کر پہلے فیلڈنگ کرنے کا فیصلہ کیا۔ سری لنکا نے پہلے کھیلتے ہوئے مقررہ 50 اوورز میں 8 وکٹوں کے نقصان پر 325 رنز بنا کر میزبان پاکستان کو 326 رنز کا ہدف دیا۔ اس دوران سری لنکن بلے بازوں نے شاندار بیٹنگ کا مظاہرہ کرتے ہوئے پاکستانی بولرز کو سخت امتحان میں ڈالے رکھا۔ سری لنکن بلے باز کامندو مینڈس نے ذمہ دارانہ اور جارحانہ بیٹنگ کا مظاہرہ کرتے ہوئے 131 رنز کی شاندار اننگز کھیلی، جبکہ پون رتھنائیکے 77 رنز بنا کر نمایاں رہے۔ اویشکا فرنینڈو نے بھی 38 رنز کی اہم اننگز کھیل کر ٹیم کے مجموعے میں قیمتی اضافہ کیا۔ پاکستان کی جانب سے نسیم شاہ، حارث رؤف، شاہین شاہ آفریدی اور سلمان علی آغا نے عمدہ بولنگ کا مظاہرہ کرتے ہوئے دو، دو وکٹیں حاصل کیں۔ پاکستان نے فخر زمان، سعد بیگ اور عرفات منہاس کی جارحانہ بیٹنگ کی بدولت مطلوبہ ہدف 49ویں اوور میں 7 وکٹوں کے نقصان پر حاصل کرلیا۔

پاکستان کے مایہ ناز اوپنر فخر زمان نے 127 رنز کی شاندار اننگز کھیلی، ان کی اننگ میں 11 چوکے اور 6 چھکے شامل تھے، فخر نے کیریئر کی 12ویں سنچری اسکور کی۔ وکٹ کیپر بیٹر سعد بیگ 74 رنز کے ساتھ نمایاں رہے، فخر اور سعد بیگ نے تیسری وکٹ پر 149 رنز کی شاندار شراکت قائم کی۔ بابر اعظم بغیر کوئی رن بنائے آؤٹ ہوئے۔ آل راؤنڈر عرفات منہاس نے 31 گیندوں پر 61 رنز کی جارحانہ اننگز کھیلی، حسن نواز 37 رنز کے ساتھ نمایاں رہے۔ سری لنکا کی جانب سے مدھوشنکا نے تین اور فرنینڈو نے دو کھلاڑیوں کو آؤٹ کیا، تھکشانا اور ویلالگے ایک، ایک وکٹ حاصل کرسکے۔

فخر زمان نے ٹرائی نیشن سیریز کے فائنل میں ایک روزہ بین الاقوامی کرکٹ میں اپنے 4 ہزار رنز مکمل کرنے کا اعزاز بھی حاصل کیا۔ وہ یہ اعزاز حاصل کرنے والے پاکستان کے 16ویں بلے باز بن گئے ہیں۔ فخر زمان نے یہ سنگ میل اپنے 97ویں ون ڈے میچ کی 96ویں اننگز میں عبور کیا۔ اس دوران انہوں نے 12 سنچریوں اور 20 نصف سنچریوں کی مدد سے مجموعی طور پر 4 ہزار 16 رنز بنائے۔ فخر زمان نے فائنل میں سری لنکن بولرز کے خلاف جارحانہ بیٹنگ کا مظاہرہ کرتے ہوئے محض 84 گیندوں پر اپنی سنچری مکمل کی۔ وہ 99 گیندوں پر 127 رنز کی شاندار اننگز کھیل کر بولڈ ہوئے۔ ان کی اننگز میں دلکش اسٹروکس اور بہترین ٹائمنگ نمایاں رہی، جس نے پاکستان کی کامیابی کی بنیاد مضبوط کی۔ یہ فخر زمان کی ون ڈے کرکٹ میں ہدف کے تعاقب کے دوران چوتھی سنچری ہے۔ ان کی اس عمدہ کارکردگی نے نہ صرف پاکستان کو فائنل میں کامیابی دلانے میں اہم کردار ادا کیا بلکہ انہیں ون ڈے کرکٹ میں ایک اور نمایاں اعزاز کا بھی حقدار بنا دیا۔ یہ کامیابی پاکستانی ٹیم کے لیے محض ایک ٹرافی کا حصول نہیں، بلکہ طویل عرصے بعد ون ڈے سہ فریقی سیریز میں اپنی برتری ثابت کرنے اور شائقینِ کرکٹ کے دل جیتنے کا ایک یادگار موقع بھی ہے۔

ISSN # : 3080-9746

بس تیرا ساتھ ہو۔۔۔۔

اِنتہائی دلچسپ سیریل کا ”بورنگ“ ترین اختتام

سائبر کرائمز کے نقصانات کو اُجاگر کرنے کی جرات مندانہ کوشش: ثنا جاوید نے فنکارانہ صلاحیتوں کا لوہا منوالیا

رپورٹ: محمد عمر

یہ بات خوش آئند ہے کہ اب پاکستانی چینلز کے مصنفین اور ہدایت کاروں کو احساس ہوگیا ہے کہ ساس بہو کے جھگڑوں ,ٹرائی اینگل لوسٹوریز کے خول سے نکل کر بھی کچھ سیریل تیار کئے جائیں، ایسی ہی ایک کاوش ہدایت کار قاسم علی اور مصنفہ سائرہ رضا نے کی، ان کے حال ہی میں ختم ہونے والے ڈرامہ سیریل،، بس تیرا ساتھ ہو،، میں سائبر کرائمز اور اس کا نشانہ بننے والوں کی حالت زار کو موضوع بنایا گیا، یہ ایک جرات مندانہ اقدام تھا لیکن جتنا دلچسپ یہ سیریل 44 اقساط تک رہا، 45 ویں قسط جو آخری قسط تھی، اتنی ہی بورنگ اور پھیکی پھیکی سی رہی, شاید یہ پاکستان کی وزارت ثقافت کی طرف سے کوئی پالیسی جاری کی گئی ہے کہ ولنز نے کتنا بھی بڑا جرم کیا ہو، آخری قسط میں اس کو معاف کر دینا ہے، حالانکہ قانون کی کتابوں میں یہی لکھا ہے کہ غلطی کی معافی ہوسکتی ہے لیکن جرم کی نوعیت کے حساب سے سزا دی جانی چاہیے تاکہ آئندہ کسی کو ایسا جرم کرتے ہوئے معلوم ہو کہ اس کے بدلہ میں کتنی سزا ملنے والی ہے۔ لیکن پاکستانی چینلز کے مشہور ڈراموں میں حیران کن طور پر بڑے سے بڑا جرم کرنے والوں کو بھی معاف کر دیا جاتا ہے، مثلاً ڈرامہ سیریل ،، ہمراز،، میں ولن فیروز خان، صرف شک کی بنا پر ہیروئین عائزہ خان پر پورے سیریل میں ظلم کے پہاڑ گراڈیٹا ہے، یہاں تک کہ اس کے بچے کو دنیا میں آنے سے پہلے ہی قتل کر دیتا ہے لیکن آخری قسط میں نہ صرف اس کو بلکہ اس کا ساتھ دینے والے ملازم، اس کی بیٹی اور ہیروئین کی ساس کو بھی معاف کر دیا جاتا ہے۔ ڈرامہ سیریل،، میرے ہمسفر،، میں ہیروئین ھانیہ عامر پر ظلم کرنے والی اس کی ساس (صبا حمید) زویا ناصر سمیت سب کو معاف کر دیا جاتا ہے، ڈرامہ سیریل،، بس تیرا ساتھ ہو،، میں ایک مختلف موضوع اپنایا گیا تھا اس کا اختتام ایسا ہونا چاہئے تھا کہ سائبر کرائم میں شریک مجرم اور تمام سہولت کاروں کو سزا ملتی، کہانی کے۔ مطابق شایان (حارث) اپنے کزن ہیرو انس (فرحان سعید) سے نفرت کے اظہار کیلئے اس کی کلاس فیلو آنسہ جمیل (ثنا جاوید) کے ساتھ اے آئی کے ذریعہ نازیبا ویڈیو بنا کر وائرل کر دیتا ہے جس پر اس کی والدہ (صبا حمید) جو ہیرو انس کی تائی ہے اور اس سے بے انتہا نفرت کرتی ہے اپنے بیٹے کو شاباش دیتی ہے اور کہتی ہے کہ بہت اچھا کیا بلکہ اس سے زیادہ کرنا چاہئے تھا، اس کا شوہر مرسلین (فرحان طاہر) اپنے بیٹے کی سرزنش کرنے کی بجائے انس کو مار مار کر گھر سے نکال دیتا ہے، اس کی بیٹی شیرین (زویا ناصر) جو اپنے چچازاد سے انتہائی نفرت کرتی ہے، یہ جان کر بھی کہ ویڈیو جعلی تھی، ہمیشہ آنسہ کو بدکردار ہونے کے طعنے دیتی رہتی ہے، آنسہ کا حقیقی بھائی اور بھابی اسی ویڈیو کی بنا پر اس کو گھر سے بے دخل کر دیتے ہیں، ان سب کو آخری قسط میں معاف کر دیا جاتا ہے صرف شایان اور اس کے دوست کو قید کی سزا سنائی جاتی ہے۔ جہاں تک اداکاری کا تعلق ہے ثنا جاوید نے ایک چیلنج سمجھ کر ایک انتہائی نازک کردار نبھایا حالانکہ ان کے شوہر پاکستانی ٹیم کے سابق کپتان شعیب ملک نے بھی ناراضگی کا اظہار کرتے ہوئے کہا کہ انہیں علم ہوتا تو وہ ثنا کو یہ کردار نہ کرنے دیتے، ہیرو کے کردار میں فرحان سعید نے خوبصورت اداکاری کی تاہم وہ کسی بھی طرح سٹوڈنٹ نہیں لگتے, یہ غلطی پاکستانی ہدایت کار ہمیشہ کرتے رہے ہیں۔

پاکستان میں ایس سلیمان اور شباب کیرانوی جیسے منجھے ہوئے ہدایت کار اداکارہ شبنم کو سٹوڈنٹ کے کردار میں پیش کرتے رہے ہیں جب ان کا بیٹا میٹرک کا طالب علم تھا، اداکارہ زویا ناصر کا بیک گراؤنڈ فلمی ہے لیکن وہ ٹی وی پر بھی ابھی تک کوئی مقام حاصل نہیں کر سکیں، وہ سپورٹنگ اور ولن کے کرداروں



تک ہی محدود ہو کر رہ گئی ہیں، میرے ہمسفر اور بس تیرا ساتھ ہو میں ہدایت کار قاسم علی نے ان کو ایک جیسے کردار میں سائن کیا، ولن کے طور پر حارث اور فرحان طاہر نے شاندار اداکاری کی، فرحان طاہر تو بڑے سینیئر فنکار ہیں جو ھالی ووڈ اور کئی یورپی ممالک میں انتہائی منفرد کرداروں سے لوہا منوا چکے ہیں، بس تیرا ساتھ ہو میں انہوں نے ایک روایتی ولن کا کردار بڑے شاندار طریقے سے ادا کیا، پاکستانی فلموں میں منور سعید ایسے کرداروں کیلئے پہلا انتخاب ہوتے تھے، صبا حمید کو ایک بار پھر ظالم ساس کا کردار ملا، اب ایسے کردار ہی ان کی پہچان بن گئے ہیں اس طرح ان کی دال روٹی چل رہی ہے کیونکہ پاکستانی ڈراموں میں ظالم ساس تو لازمی طور پر ہوتی ہے اور اس کردار کیلئے صبا حمید ہر ہدایت کار کا پہلا انتخاب بن چکی ہیں، نئے دور کے



ناظرین نہیں جانتے کہ 80 اور 90 کی دہائی میں وہ بڑی پرکشش ہیروئین ہوا کرتھیں، دکھوں کی چادر، ساحل, اور اندھیرا اجالا میں وہ مختلف کرداروں میں نظر آتی رہیں۔

ڈرامہ سیریل ساحل میں ان کے کردار کا نام نیلی تھا، جس سے متاثر ہو کر ان ہی دنوں ہدایت کار یونس ملک نے اپنی فلم،، آخری جنگ،، میں ایک نئی ہیروئین کو نیلی کے نام سے متعارف کرایا تھا جو شوبز میں بہت آگے نکل گئی تھیں، سینئر اداکار سلمان شاہد نے دادا اور اداکارہ شگفتہ اعجاز نے پھوپھو کے کرداروں میں حقیقت کے قریب اداکاری کی، اداکار رضوان نے شیریں (زویا ناصر) کے منگیتر کے کردار میں اچھی اداکاری کی وہ چند اقساط میں ہی نظر آئے تاہم ایک تاثر قائم کر گئے۔ مجموعی طور پر، بس تیرا ساتھ ہو،، کے ہدایت کار، مصنفہ اور دیگر ٹیم کو داد دینی چاہیے کہ انہوں نے کچھ نہ کچھ نیا کام پیش کیا۔

ISSN # : 3080-9746



ISSN # : 3080-9746